

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188617

UNIVERSAL
LIBRARY

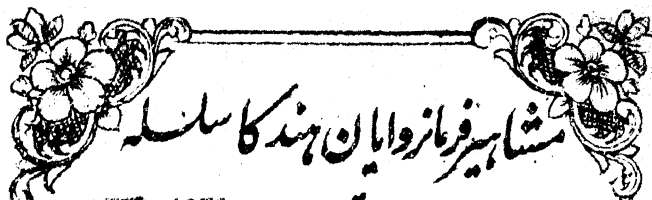
OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 92351 • Accession No. 78711

Author [210 B.B.J.] 1463

Title [B.B.J.]

This book should be returned on or before the date last marked below.



مشاہیر ماہر وایان ہند کا سلسلہ

جلد ۱۹۵۱

مرتبہ

Checked 1975

سر ولیم ولسن ہنٹر کے سی ایس آئی سی آئی ای۔ ایم۔ ایل ایل ڈی

۱۹۵۸

سوانح عمری

۶۲/۶۳

Checked 1965



Checked 1969

مصنف

کرنیل جی بی میلین صاحب سی ایس آئی

مترجمہ

مولوی محمد لطیف صاحب بی اے وکیل الٹی کورٹ

جمینٹ ریٹر عدالت العالیہ صاحب جوڈیشل کمشنر بہار کنگ

مطبع نشتی نو کشور مقام لکھنؤ مین چھپا

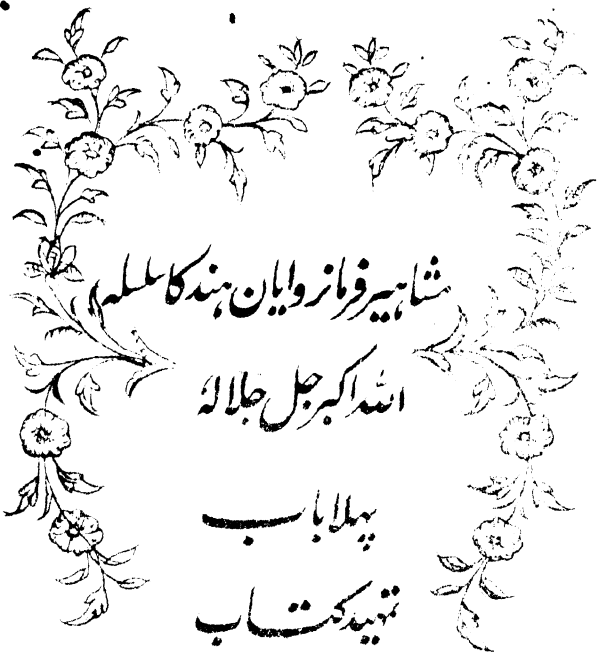
۱۹۰۰ء



فہرست مضامین سوانح عمری اکبر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	آٹھواں باب - اکبر کا اپنے	۱	پہلا باب - تمہید کتاب -
۷۹	باب کے تحت کے واسطے لڑنا		دوسرا باب - بابر کا خاندان
	نواں باب - ہندوستان	۱۱	اور عالم طفولیت -
	کی عام حالت سولہویں صدی	۱۷	تیسرا باب - بابر کا بل فتح کرتا ہو -
۸۸	کے وسط میں -	۲۸	چوتھا باب - بابر کے حملے ہندوستان پر
	دسواں باب - بیرم خان کی		پانچواں باب - بابر کا ہندوستان
۱۰۰	آتا یقی کا زمانہ -	۳۹	میں کیا رتبہ تھا -
	گیارہواں باب - وقائع		چھٹا باب - ہمایون اور اکبر کے
۱۱۳	سلطنت -	۵۹	ایام طفولیت -
	بارہواں باب - اکبر کے		ساتواں باب - ہمایون کا ہندوستان
۱۸۵	اصول اور اندرونی انتظام -	۷۲	پر حملہ کرنا اور وفات پانا -

آية



میں اپنے ناظرین سے نظر عنایت کا خواہشگار ہو کر حقی الاسکان بہت اختصار
 کے ساتھ وہ خاکہ کھینچتا ہوں جس پر میں نے یہ مختصر سوانح عمری اُس شہنشاہ کی لکھی ہے
 جس نے خاندان مغلیہ کی سلطنت ہندوستان میں استحکم طور پر قائم کی تھی۔

اس کتاب کی ترتیب میں میں نے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے:۔ تواریخ ہندی
 خود لکھی ہے اور زیادہ تر سکین صاحبان نے ترجمہ کیا ہے۔ باربراڈ ہلایون مولانا سکین صاحب۔ آئین اکبری
 بلاکین صاحب۔ ہمشیری تاج الدین مولانا بی اسلوان ہسٹورینس جو پرنسپل ڈس صاحب نے اُن سوانح
 سے ترتیب دی ہے جو سر ایچ ایم الٹ صاحب نے اٹھارہ چھوڑ کر وفات پائی۔ تاج فرشتہ مرحوم صاحب۔ مغلیہ
 کی ہمشیری تاج الدین صاحب کی انیس سو اسی کتاب۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف سے میں نے مدد لی ہے

اس طرح کی سلطنت کے قائم کرنے کا اصلی منصوبہ اکبر کا ذاتی نہ تھا۔ اس کے دادا بابر نے ہندوستان کا بہت بڑا حصہ فتح کیا تھا۔ مگر اس فتح کے بعد او بابر کی وفات سے پہلے جو پانچ برس کا عرصہ گزرا اس میں بابر کو بہت کم مواقع ایسے ملے کہ اسے غمان انتظام ہاتھ میں یعنی نصیب ہوئی۔ اس کے رقیب جبکو اس نے نیچا دکھایا تھا اور نیز اس ملک کے اصلی باشندے دونوں کیساں طور پر بابر کو قانع تسلیم کرتے تھے مگر اس سے زیادہ اسے نہ مانتے تھے۔ وہ بڑی قیامت کا آدمی تھا اور ساری عمر چنگیزی میں بسر کی تھی۔ سچ پوچھیے تو وہ ایک ابن السبیل تھا۔ مگر بڑا جلتا ہوا ابن السبیل جس میں جوہر قابل اپنے معاصرین سے بہت زیادہ تھا۔ معیبت کے سخت کتب میں تعلیم پائی تھی۔ اس نے اپنے کابل کی بلند عقابی آشیانہ سے زرخیز ہندوستان کی اتر حالات معائنہ کی اور اس زور شور سے اس کے میدانوں پر ٹوٹ پڑا کہ اس کا حملہ نبھالے نہ سنبھالا۔ بابر اس فاش کا آدمی تھا۔ اپنے زمانہ والوں سے کہیں بڑھا ہوا۔ فیاض۔ محبت والا۔ عالی خیال۔ مگر ہندوستان کے ساتھ جو اس کا تعلق تھا وہ اس سے کچھ ہی زیادہ ہو گا کہ وہ یہاں کا فاتح تھا۔ سولے اس طریقہ نظم و نسق کے جس میں انکی ساری عمر گزری تھی اور کسی طریقہ کی طرف خیال کر نیکا اسکو وقت ہی نہیں ملا

اور یہ وہی طریقہ تھا جو اُس کے افغان متقدمین نے ہندوستان میں جاری کیا تھا یعنی یہ کہ بڑے بڑے لشکروں کے ذریعہ سے حکومت کریں اور ہر لشکر پر ایک ایسا سردار افسر ہو جو اپنا مطیع ہو۔ اور ہر لشکر ایک ایک صوبہ میں کسی ایسے مقام پر رہے جو وسط میں واقع ہو۔ یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ کیا بابر کی حکمت عملی کا اصلی اصول یہ نہ تھا کہ بجائے ہندوستان کے وسط ایشیا میں سلطنت قائم کرے۔ اس طریقہ میں باشندگان ملک کی بیبود کو کچھ دخل نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اگر بابر زندہ رہتا اور اسکی زندگی کے ساتھ اسکی بیش بہا ایلاقت بھی قائم رہتی تو جس طرح اُس کے پوتے نے یہ سمجھ لیا اسی طرح رفته رفته وہ بھی یہ سمجھ لیتا کہ یہ طریقہ عملی طور پر ناپسندیدہ ہے اور اس میں یہ کسر ہے کہ الحاق کے بڑے اصول یعنی فاتح و مفتوح کے تعلقات کو ایک کر دینے کا منشا فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس سے تالیف قلوب نہیں ہوتی اور رنجش و دشمنی ہوتی۔ سلطنت جبر نہیں پکڑنے پاتی اور زمانہ کے حوادث سے معرض خطر میں رہتی ہے۔ چونکہ بابر کے حالات ہم کو اُن تذکروں سے معلوم ہوئے ہیں جن میں اُس نے اپنے دلی راز لکھا ہر کیے ہیں اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا ہے اور اپنے حوصلوں کی حالتیں دکھائی ہیں اس لیے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اگر بابر کو موقع ملتا تو ضرور وہ ایسا ہی کرتا۔

گمراہ و متوجع ہی تو اُسے نہیں ٹھہرایا۔ بابر کی بانی بت والی پہلی لڑائی (اس نے) ہندوستان کے شمالی مغربی صوبے اُسے ملے اور اُس کی موت کے درمیان میں جو وقفہ ہوا وہ اس قدر کم تھا کہ اُس نے اُسے اس سے زیادہ خیال کرنے کی مہلت نہ دی کہ اپنی فتوحات کو مستحکم کر لے اور کچھ اور صوبے اپنی فتوحات میں شامل کر لے۔ وہ ہندوستان میں فاتح بن کر آیا اور پانچ برس جو اگر وہ تین در حکومت کی وہ بھی اُس فاتح ہی بن کر کی۔

اس کا بیٹا جہاں پور قدرتی طور پر اس کام کے انجام دینے کے قابل تھا جو بابر نے مجبوری سے ڈال رکھا تھا۔ اسکے مزاج میں قنوں اور بے استقلالیت تھی اور اُس کی ریاست میں استعداد و نظم کی کمی تھی اس لیے وہ اور بھی اُس کام کے قابل نہ تھا۔ اُس نے آٹھ برس ہندوستان میں حکومت کی۔ اور ایسی سلطنت کی بنیاد میں جو ٹھہرنے والی ہو ایک چھبر بھی اپنے ہاتھ سے نہ رکھا۔ اور جب اس مدت کے اختتام پر اُس کی سلطنت اُس کے اور افغان متقدمین کی سلطنتوں کی طرح اسی سبب یعنی جڑ مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے میدان میں ایک ہی شکست لکھا کر گر گئی تو اُس کے ہاتھ سے ایک دم سے وہ سارا ملک نکل گیا جو باجہ نے دیا۔ اُن برس کے جنوب میں حاصل کیا تھا۔ ظاہر اسباب تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ

اُس کی زندگی وفا کرتی تو آگے چل کر بھی وہ اسی طریقہ پر حکومت کرتا جو اُسکے پہلے کے بہت سے فاتحوں کے اور خود اُسکے ہاتھوں میں چل نہ سکا۔ اپنے مرنے سے کچھ ہی پہلے اُس نے ایک دستور انتظام ہندوستان کا مرتب کیا تھا۔ یہ وہی پرانا دستور تھا کہ علیحدہ علیحدہ لشکر ایک مقررہ وسطی مقام پر رہیں اور کسی کو ایک دوسرے سے کچھ علاقہ نہ ہو مگر سب کے سب بادشاہ کی نگرانی میں رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ممالک مفتوحہ پر مسلط رہنے کے لیے تو یہ طریقہ بے نظیر تھا مگر اس میں یہ بھی کسر تھی کہ کوئی تدبیر اسکی نہ تھی کہ مختلف صوبجات اور دہان کے باشندوں کو متفق کر کے ایک کر لیا جائے۔

وہ حادثہ جس نے دوسری جنگ پانی پت کے پہلے ہمایوں کی وفات کا تیرہ سال اکبر کو جو ابھی صرف چودہ برس کا لڑکا تھا باہر کی سلطنت کا وارث بنا دیا ہر اعتبار سے ہندوستان کی خوش نصیبی کا باعث تھا۔ ہمایوں مدون باہر رہا تھا اور برسوں تقدیر سے لڑتا پھرتا تھا۔ مگر اس پر بھی نہ اُس نے کچھ سیکھا اور نہ وہ کچھ بھولا جو لڑکا کہ اُسکا جانشین ہو او وہ باوجود اُسکے کہ ایسی کم عمری ہی میں ایسے بڑے بڑے اتفاقات اُسکو پیش آچکے تھے اور زمانہ کے اتنے نشیب و فراز دیکھ چکا تھا جو ایک معمولی آدمی اپنی ساری عمر میں دیکھتا۔ ابھی پھر بھی ناکردہ کار تھا۔ البتہ اُسکے

ساتھ ایک ایسا شخص تھا جو اُس زمانہ میں سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔ مگر اُس نے بھی آئین سیاست کی تعلیم اپنے شاگردی کے باپ کے سخت کتب میں پائی تھی۔ پھر بھی اس لڑکے میں علاوہ اور بہت سے جوہروں کے نظمی قابلیت خدو واد تھی۔ اُن چند برسوں میں بھی کہ اس کی اجازت سے اس کے نامی سردار نے اُسکے نام سے سلطنت کی اُس نے اُن اسباب پر بہت غور کیا جنکی وجہ سے اُس سے پہلے کی سلطنتیں نیست و نابود ہو گئی تھیں اور جو اُن سلطنتوں کی جڑ پکڑنے کے مانع ہوئے تھے جب اُس نے اپنے منصوبے پکے کر لیے تو عنان سلطنت اپنے دست خاص میں لی اور اُس خاندان کی بنیاد ڈالی جو اُس وقت تک کہ اسکے طریقہ کی پیروی کرنا برابر پھولتا پھلتا رہا اور جب اسکے طریقہ کے ایک بہت بڑے اصول (یعنی بے تعصبی و صلح کل) کی تقلید چھوڑ دی تو اُس پر او بار آنا شروع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ جو خلاصہ میں نے اوپر لکھا ہے اُس سے صاف طور پر ناظرین کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ اگرچہ ایک طرح پر بارہند وستان میں سلطنت مغلیہ قائم کرنے کا بانی تھا تاہم اُس نے اپنے جانشین کو محض ایک فاتح کی صفت میں اپنا جانشین کیا تھا۔ بلاشبک ہمایوں کو یہی صورت میراث میں پہنچی تھی اور جب وہ اس میں کچھ اور ایذا نہ کر سکا تو جو کچھ باپ نے جیتا تھا وہ بھی

پکڑا بیٹھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آجہ کا اُس نے اُس کا ایک جزو پھر حاصل کر لیا مگر ہم
 بھی وہی فاتح ہی رہا۔ پوتے نے البتہ جڑوں کو اس طرح زمین کے اندر پھونکا
 کہ وہ مضبوط ہو گئیں اور نہال سلطنت بڑھا اور اقوام مفتوح کی بہبود اور خوشنودی
 کے قیمتی اور کثیر پھلون سے لد گیا۔

اس خلاصہ کو میں نے اس کتاب کے آئندہ صفحات میں وسعت دیکر
 لکھا ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب قدرتی طور سے تین حصوں میں تقسیم ہے
 پہلا حصہ میں نے باہر کے حال میں لکھا ہے کہ وہی ہندوستان پر حملہ کرنے
 اور اُسے فتح کرنے کے منصوبے کا بانی مہمانی تھا۔ وہ ایک بڑا شخص تھا۔
 اور چاہے جس زمانہ میں وہ ہوتا وہ بڑا ہی شخص ہوتا۔ بادجو دیکھ لے ازمائیں
 ہی برس کی چھوٹی سی عمر میں وفات پائی وہ اپنے کارنامے ایسے چھوڑ گیا ہے
 کہ اس انیسویں صدی کے خاتمہ پر بھی اُنکا پڑھنا خالی از و جہی و منفعت نہیں۔
 اس وجہ سے کہ جیسا ناظرین خود ہی دیکھ لینگے کہ پوتے نے جو کام کیے اُن میں
 واواکی اوالا العزمی اور مستعدی اور خلقی عالی ظرفی کا رنگ بھرا ہوا تھا میں نے
 یہی مناسب سمجھا کہ اسکے حالات کو اچھی طرح وسعت دے کر لکھوں۔ ہمایون
 کی سوانح عمری بھی سچ پوچھیے تو پہلے ہی حصہ سے متعلق ہے اس کے متعلق

میں نے صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے جو اس غرض سے ضروری ہے کہ اُس کے زوال کے اسباب معلوم ہو جائیں اور اس کتاب کے ہیر و کے زمانہ طفولیت کے حالات کا بھی ذکر ہو جائے کیونکہ وہ ہیر و سندھ میں اسی زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب اس کا باپ ہندوستان سے بھاگ کر گیا تھا۔

باقی دو ٹکٹ اس کتاب کا اکبر کے حالات میں ہے۔ مگر اب اس حصہ کے بھی میں نے دو حصے کیے ہیں۔ اس دو ٹکٹ کے پہلے حصہ میں میں نے اُس زمانہ کے مسلمان مورخوں کی سند لیکر انکی تصانیف سے اکبر کی سلطنت کے پرمیٹکل واقعات کا بیان کیا ہے۔ آخر کے باب میں میں نے اکبر کی تصویر کھینچی ہے کہ وہ آدمی کیسا تھا۔ آئین اکبری و دیگر تصانیف کی بنیاد پر میں نے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ منظم کیسا تھا۔ ترتیب دینی کیسی جانتا تھا۔ اور اُس دستور کو کیسے اُس نے پھیلا یا جو ہم انگریزوں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے یعنی یہ کہ کیسے اُس نے وہ اختلاف مٹائے جو پانسو برس سے چلے آتے تھے اور ان بغضوں کو دور کیا جو ہمیشہ سے قائم تھے۔ میں نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ شوہر ہونے کی حیثیت سے وہ کیسا تھا۔ باپ ہونے کی حیثیت سے کیسا تھا۔ اور آدمی ہونے کی حیثیت سے کیسا تھا کہ اُس نے باوجود

اس میں ہی تعلیم کے جسمین اپنے سے اختلاف کرنے والوں سے عداوت رکھنے کا نقش بہت
 زور شور سے جما دیا جاتا ہے اپنی عقل کو پوری آزادی کے راستہ پر چلنے دیا
 اور اپنے طرز عمل کا اپنی عقل ہی کو رہبر بنا یا زمین کہ سکتا ہوں کہ یہ باب اس کتاب کا
 سب سے دلچسپ حصہ ہے۔ اور میں اسکی دلچسپی کے صلہ میں اپنے ناظرین
 سے خواستگار ہوں کہ اس سے پہلے کے ابواب میں جو حالات پر عرض
 کی تکلیف میں نے اُنکو دی ہے اُسکو معاف فرمائیں۔

دوسرا باب

بابر کا خاندان اور عالم طفولیت

نویں اپریل ۱۴۶۹ء کو مقام شہر سبزہ میں جو سمرقند سے تیس میل جانب شمال واقع ہے اصلی مغلوں کی قوم میر اس کے سردار کا سب سے بڑا لڑکا پیدا ہوا۔ اُس لڑکے کو جبکا نام تیمور تھا اور جبکا ننھیالی سلسلہ جنگیہ خان سے ملتا تھا قدرت نے کچھ اوصاف ایسے عطا کیے تھے جنکی بدولت آدمی کو اپنے ہمجسوں پر قابو ہو جاتا ہے۔ تقدیر کی بادری سے اُسے اُن اوصاف سے بہترین طریقہ پر کام نکلانے کا موقع ہاتھ لگا۔ جنگیہ خان کی نسل ذکور رفتہ رفتہ بالکل کمزور اور ست ہو گئی تھی۔ ماورائے نہر میں تو وہ خاندان اس نسل کے سلسلہ میں بالکل ہی نابود ہو گیا۔ اُس زمانہ میں تیمور کی عمر چونتیس برس کی تھی۔ یہ جو جگہ خالی ہوئی تو اس پر اُس نے قبضہ کر لیا اور بہت سے تقدیری انقلابات کے بعد سولہ سو لاکھ آٹھ سو لاکھ بن گیا۔ علی الرغم عدو دور یاے آموں اور سجون کے دو آپ کے پورے ملک کا فرمانروا بن کر سمرقند میں سلطنت قائم کی۔ پھر اُس نے ان فتوحات کا آغاز کر لیا جن کا خاتمہ اُسکی جان کے ساتھ ہوا۔ پورے مغلستان پر حکومت کرنے لگا یعنی

یہ کہ جنوب کی جانب نبت کے پہاڑوں اور انڈس کمران کے درمیان کے ملک پر اور شمال کی جانب ساییر پاک تسلط کر لیا۔ اور قباچ کا ملک جو دریائے فرات کے نیچے کی طرف کے بہاؤ کے شمال میں واقع ہے اور نیز بحر اراک و بحر خز مع اُن زرخیز مینوں کے جو دریائے وان و والکا پر ہیں اور وہ حصہ زمین جو دریائے یوگمین کے کنارہ واقع ہیں اُس کی عملداری میں آگئے۔ ہندوستان بھی فتح کر لیا اور آبنائے ڈارڈنیلز سے لیکر دہلی تک کے باشندے سب اُسکی برتری ماننے لگے۔ اور جب ۱۸ فروری ۱۵۴۷ء کو اُس نے انتقال کیا تو اپنے پیچھے ایک ایسی سلطنت چھوڑی جو دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں میں شمار ہوتی ہے۔

اُسکی وفات کے بعد یہ سلطنت بہت جلد تتر بتر ہو گئی۔ اُسکے پوتے ابوسعید نے پھر کچھ اُسے ترتیب دیا مگر جب ۱۵۶۹ء میں مقام اردبیل کے پاس پہاڑوں میں اس شہزادہ کی فوج کو خفیم کے یکایک آپڑنے سے شکست ملی اور شہزادہ نے وفات پائی تو اُسکے بیٹوں میں پھر بھٹ ہو گئی۔ تیسرے بیٹے عمر شیخ کو صوبہ فرغانہ ملا جو اپنے صدر مقام کوہ قند کے نام سے مشہور ہے۔

غریب خان بادشاہ کا باپ تھا۔ یہ ایک بلند حوصلہ آدمی تھا اور اپنی سلطنت بڑھا کر
 اپنی فکر میں رہتا تھا۔ مگر اُس کے خاندان کے اور لوگوں کے دلوں میں بھی
 یہی حوصلہ جوش زن تھے اور جب ۹۴۴ھ میں ایک حادثہ سے اُس کی
 جان گئی تو اُس وقت میں وہ اُسی کے قلعہ میں محصور تھا جسے اُس نے اپنا
 دار الحکومت بنا رکھا تھا۔

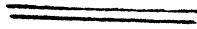
اُس کا ب سے بڑا بیٹا بابر جو اس وقت پورے بارہ برس کا تھا اُن
 دنوں اُسی سے چھتیس میل کے فاصلہ پر اندجان میں تھا۔ غنیم اندجان کی طرف
 بڑھا۔ بابر نے اپنے باپ کی موت کے دوسرے دن (۹- جون) بالاحصار
 قبضہ کر لیا اور حملہ کرنے والے سے معاملہ کر لینے کی فکر کی۔ اگر غنیم کے لشکر
 میں حسد اور بھڑک نہ ہوتی تو بابر کو اس کوشش سے شاید ہی کچھ فائدہ ہوتا
 مگر یہ حسد اور بھڑک اُس کے ایسی کام آئی کہ فرغانہ میں جو کچھ بیچ رہا تھا وہ اُسکو پھیر گیا
 مگر خجندہ مرغان اور اراتوپ تین بڑے بڑے شہر اُس کے پاس سے محل گئے۔
 غنیم کے رخصت ہو جانے کے دو برس بعد تک یہ لڑکا چپ چاپ بیٹھا اپنی
 طاقت کو مضبوط کرنا لگا اور موقع کا منتظر رہا۔ جب سمرقند میں اتاری پھیلی تو وہاں
 چڑھ دوڑا کہ یہ شہر اس زمانہ میں وسط ایشیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔ نومبر ۹۴۵ھ

میں اُسے یہ شہر لے ہی کر چھوڑا۔ مگر چونکہ فوج کو لوٹ کی اجازت نہیں دی اس لیے
ہزاروں آدمی اُسے چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر یہ قبضہ کیسے ہی رہا۔ حتیٰ کہ یہ
خبر آئی کہ فرغانہ پر حملہ ہوا ہے تو مجبور ہو کر قبضہ چھوڑنا پڑا۔ اپنی روانگی کے
کچھ پہلے سے وہ ایک سخت بیماری کی وجہ سے بہت ضعیف ہو گیا تھا اور
جب آخر کار فرغانہ پہنچا تو پہنچتے ہی یہ سنا کہ اسکے دار الحکومت والوں نے
اپنے تین غنیم کے حوالہ کر دیا۔ اب بابر بے بادشاہت کا بادشاہ رہ گیا۔ اُسے
لکھا ہے کہ ”اندجان بچانے کو سمرقند چھوڑا تھا۔ اب یہ کھلا کہ یہ بھی ہاتھ سے
گیا اور وہ بھی نہ بچ سکا“

مگر وہ کوشش میں لگا رہا اور فرغانہ پھر لے لیا (اب یہ فرغانہ پہلے
سے بہت چھوٹا رہ گیا تھا) اور پھر سمرقند پر چڑھائی کی۔ مگر اذکون نے اُسے
محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیا اور چونکہ اسکی اپنی سلطنت بھی اس عرصہ میں
دوسروں نے چڑھائی کر کے فتح کر لی تھی اس لیے وہ اپنی جابے ولادت مقام
کیش کی طرف چلا گیا۔ بہت سے خطرے اٹھانے اور تقدیر آزمایاں کرنے کے بعد
اُسے یہ شان ملی کہ جو سعد و دے چند ہمراہی رہ گئے ہیں انکو لیکر واپس آنے
اور یکایک بغیر سمرقند پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بڑی دلیری کا ارادہ تھا کیونکہ اسکی

اجل جمعیت کی تعداد صرف دو سو چالیس رہ گئی تھی۔ اُسے زور لگایا۔ ناکام ہوا۔
 پھر زور لگایا۔ کامیاب ہوا۔ وہ بالکل ٹھیک وقت سے پہنچا کیونکہ اہل قلعہ کا
 آخری حصہ زیر ہوا ہی تھا کہ اذکون کا سردار اس طرف اپنی فوج کے ہر اہل حصہ
 کو لیکر سرپٹ گھوڑا مارے ہوئے آیا، دکھائی دیا مگر اُسے شکست کھائی اور بھاگنا پڑا
 لیکن باہر اپنی فتح کو قائم نہ رکھ سکا۔ سو سم بہار میں اذبک فوج لیکر چڑھ آئے
 اُن کو پیپا کرنے کے لیے باہر نے اپنی فوج شہر کے باہر سارا کی شرک پر بڑے
 موقع سے جمائی کہ داہنی طرف کے پہلو پر دریائے کوہک حائل تھا۔ اگر وہ اپنی
 قناعت کرتا کہ اس موقع سے غنیمت کی آمد کا انتظار کرے تو غالب تھا کہ غنیمت کو ہٹ
 جانے پر مجبور کر دیتا کیونکہ یہ موقع اسی مضبوطی کا تھا کہ وہاں سے ہٹنا بہت
 مشکل تھا۔ لیکن اگرچہ اسکی رائے کے خلاف تھا مگر نجومیون نے یہ ترغیب دی
 کہ اس موقع سے آگے بڑھ کر اذکون کی فوج پر حملہ کیا جائے۔ جو لڑائی ہوئی اس میں
 قریب قریب جیت ہی چکا تھا کہ آخر کا شکست کھائی اور شہر پناہ کے اندر پناہ لی۔
 یہاں آکر پانچ مہینہ تک تو جہار رہا مگر آخر رسد نہ ملنے سے عاجز آکر دہ نکلا۔ اُسے
 یہ اجازت مل گئی کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر شہر سے نکل جائے۔ اور وہ پہلے تو اراکان
 گیا اور پھر دمہات گیا کہ یہ گاؤں اراکانو پ کے خان وقت نے اُسکو عطا کیا تھا۔

تین برس تک ابن اسبیل بنا پھر تارہا۔ کبھی جنگل میں خانہ بدوش مارا پھرتا تھا اور کبھی فوج کشی کروا کر تخت چھین لیتا تھا۔ ہمیشہ خوش رہتا تھا اور اسی امید سے اسکا دل بڑھا رہتا تھا کہ آخر کار ضرور کامیابی ہوگی۔ اور ہمیشہ بہت ہمت اور استعداد سے کام لیتا تھا۔ اُسے کوشش کی کہ فغانہ پھر لے لے مگر مجبور ہوا اور اس کوشش سے باز رہا۔ تب طرح طرح کی وضع کے دو تین سو آدمی لیکر خراسان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیوانہ پن کی حرکت معلوم ہوتی تھی۔ مگر اُسکا دیوانہ پن بھی مذہب سے خالی نہ تھا۔ اسکا حال کہ کس طرح اُسے چڑھائی کی اور چڑھائی کا نتیجہ کیا ہوا ہم باب آئندہ میں بیان کریں گے۔



تیسرا باب

بابر کا بل نستح کرتا ہے

اس زمانہ میں سلطنت کابل کے صرف دو صوبے تھے۔ کابل اور غزنین۔
 یعنی وہ حصہ ملک جسے شرقی افغانستان کہنا مناسب ہے۔ ہرات ایک ایسی
 خود مختار سلطنت کا، اور اختلاف تھا جو اس زمانہ میں وسط ایشیا میں سب سلطنتوں سے
 بڑھی ہوئی تھی۔ قندھار۔ بجاور۔ سوات اور پشاور میں دوسرے حکمران تھے جنکو
 کابل سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ صرف نشیبی ملک اور مصلحات کی وادیوں کی قوین
 وہاں کے بادشاہ کی تابع حکومت تھیں۔ پہاڑی فرقے اس زمانہ میں بھی ایسے ہی
 خود سر اور سرکش تھے جیسے کہ ان کی نسل والے قریب قریب زمانہ حال تک رہے ہیں۔
 کابل میں اس زمانہ میں قریب قریب بد عملی کی سی حالت ہو رہی تھی۔ حاکم قندھار کے
 بیٹے محمد مقیم نے بادشاہ وقت عبدالرزاق (جو اس ابوسعید کا پوتا تھا جسکا ذکر
 اس سے پہلے باب میں آچکا ہے) پر یکایک بیخبر حملہ کر کے شہر سے نکال دیا تھا
 اور پشاور (محمد مقیم) فکر مستقبل سے بے خوف اس طرح سلطنت کر رہا تھا کہ گویا
 ساری دنیا میں امن چین ہے اور کم سے کم اسکی ذات کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہم کچھ چکے ہیں کہ بابر نے اپنی خانہ بدوش زندگی سے عاجز ہو کر خراسان پر
 چڑھائی کرنے کا ارادہ مستحکم کر لیا تھا۔ چنانچہ ٹسنے وجہ عبور کیا اور یہاں جا کر قوت
 سلطان خسرو کا بیٹا باقی اس سے مل گیا۔ اجمیر کی طرف کوچ کیا اور کچھ دن وہاں
 رہے۔ پھر دکن کر کے مغل جو خسرو کے ملازم تھے باغی ہو گئے ہیں بابر نے تالکان
 کا رخ کیا تاکہ یہاں موقع جنگ اچھا ہوتا تھا۔ ان دونوں مقامات کے درمیان
 میں میں نے ذکر اس سے آٹے اور یہ بتا گیا کہ سلطان خسرو اپنی بقیہ فوج بیکر
 کابل کی طرف جا رہا ہے۔ یہ دونوں فوجیں ایسی قریب قریب آگئیں کہ دونوں کے سرداروں
 کی ملاقات ہوئی اور ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ خسرو نے پورے طور سے اطاعت
 قبول کر لی اور اسکی بیٹیا رنج بابر کی طرف آئی۔ یہ قوت بابر بابر نے کابل پر چڑھائی کی اور
 محاصرہ کر کے کابل لے ہی لیا۔ (اکتوبر ۱۵۱۹ء) اس طرح جو تقدیر نے
 یکایک پٹا کھایا تو بابر ایک دم سے کابل اور غزنین کا بادشاہ ہو گیا کہ یہ سلطنت
 و فغانہ کی اس سلطنت سے کہیں زیادہ قوی تھی جسے وہ میراث میں پا کر
 گنوا چکا تھا۔

بابر اپنی نئی سلطنت کے تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ دریائے جہلم کے جنوب
 یعنی ہندوستان کی سرحد کے اندر صوبہ بھٹیار پر حملہ کر نیکے لیے بلایا گیا۔ یہ دعوت

اس وجہ اسکی خواہش کے مطابق تھی کہ ابھار نہ کیا۔ اور جلال آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جنوری ۱۵۸۵ء کا زمانہ تھا۔ سلطان بابر نے (جواب اسی لقب سے پکارا جاتا تھا) اپنے روزنامچہ میں وہ خیالات لکھے ہیں جو اسکے دل میں ایشیا کے اس بہار کی حصہ کے اول مرتبہ دیکھنے سے پیدا ہوئے۔ کچھ شک نہیں کہ حملہ آوری میں جو لوگ اُس کے قائم مقام ہوئے انکے دل میں بھی یہی خیالات پیدا ہوئے اور ان ہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آگے بڑھنے لگے پر مستعد رہے۔ بابر لکھتا ہے ”اس سے پہلے میں نے گرم ملک نہیں دیکھے تھے ہندوستان کا ملک دیکھا تھا۔ اس سرزمین میں پہونچ کر تو میں نے بالکل ایک نئی دنیا دیکھی۔ ترکارا بن پہولون کی بو دے تھلون کے درخت وحشی جانور سب جدا گانہ تھے۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی اور واقعی حیرت کی جگہ بھی تھی“ پھر وہ درخیز کوٹے کر کے پشیا وریا اور دریائے انڈس عبور نہیں کیا بلکہ کوہاتنگش بتودشت میں پہونما ہوا ملتان پہونچا۔ وہاں سے چل کر کچھ دن دریائے انڈس کے کنارہ کنارہ چلتا رہا۔ پھر پچھم کی طرف مڑا اور جوتالی اور غزنین کے راستہ سے کابل واپس آگیا۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ بابر کا پہلا حملہ ہندوستان پر تھا۔ مگر چونکہ وہ اس ملک کے کناروں ہی تک آیا اسلیئے اس محم کو ایک قزاقی جال سمجھنا چاہیے

خیر وہ جو کچھ ہوئے بابر کے دل میں یہ شوق غالب کر دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو چٹنا
دیکھ چکا ہوں اس سے زیادہ دیکھنا چاہیے۔

مگر مثل اور فاتحون کے جنھوں نے ہندوستان کی جانب توجہ کی وہ اس
نہایت ضروری سمجھتا تھا کہ پہلے قندھار کی حکومت کو مضبوط کرے۔ کچھ عرصہ
تک اندرونی شورشوں کی وجہ سے اس مہم میں دیر لگی۔ اور جب یہ شورشیں
فرد ہوئیں تو بابر بیرونجات کے واقعات کی طرف متوجہ رہا۔ اُسکا پرنا دشمن
شیبانی پھر قندھار میں حکومت کر رہا تھا اور کچھ چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کر کے
بلخ کا محاصرہ کرنے آیا تھا۔ سلطان حسین مرزا والی ہرات کو اسکے بڑھنے سے
اندیشہ ہوا اور اُسے بابر کے پاس ایک ایلچی بھیجا کہ اس غنیم پر حملہ کرنے میں میری
مدد کیجیے۔ بابر نے فوراً تعمیل کی۔ اور جون ۱۵۶۷ء میں کابل سے چل کر
کھرو میں پہونچا اور وہاں رسد جمع کر نیکو ٹھہر گیا۔ ابھی اس کام میں مصروف ہی
تھا کہ ایک آدمی نے اگر خبر دی کہ سلطان حسین مرزا کا انتقال ہو گیا۔ وہ فوراً بڑھلا
اور آٹھ سو میل طے کر کے سلطان مرحوم کے لڑکوں اور انکی فوج سے
دریائے مرغاب پر جا ملا۔

سلطان کی جگہ اسکے دولڑکے مشترکاً فرما رہے تھے۔ بابر نے

اکھو وحیہ قابل اور ذکی پایا۔ مگر نازک مزاج اور عیش پسند تھے اور بالکل اس کام کے نہ تھے کہ شیبانی جیسے دلیر کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ لوگ تو لشکر میں رنگ لیاں مٹا رہے تھے اور شیبانی بلخ فتح بھی کر چکا تھا۔ کچھ حجت کے بعد ان دو دونوں بادشاہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ فی الحال فوج برطرف کر دی جائے اور موسم بہار میں پھر از سر نو ابتدا کریں۔ جاڑ آچلا تھا۔ اگرچہ بابر کی رائے اس کے خلاف تھی مگر اس کے دو دونوں میزبانوں نے اسے اس پر راضی ہی کر لیا کہ ہر اتار میں ان لوگوں سے ملاقات کرے۔ بابر نے جو اپنی سوانح عمری اپنے قلم سے لکھی ہے اس کے صفحے کے صفحے اس شاہی شہر کی شان و شوکت کے حالات سے بھرے پڑے ہیں۔ بیس دن تک وہ ہر روز نئے نئے مقامات ملاحظہ کرتا رہا اور آخر ۲۶ دسمبر کو وطن کو لوٹ آنے کا ارادہ مصمم کیا۔

ہمارے ملک کے لوگ جنھوں نے ۱۵۶۹ء کی جنگ افغانستان دیکھی ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سفر کس درجہ صعب اور دشوار تھا۔ مختصر یہ کہ ناممکن تو نہ تھا اور باقی ہر طرح مشکل تھا۔ یہ فاصلہ گرمی کے موسم میں بیس دن کے سفر سے طے ہوتا۔ پہاڑوں کا راستہ اگرچہ گرمی میں زیادہ دشوار گزار نہیں ہوتا مگر جائزے کے موسم میں تو نہایت ہی دشوار گزار تھا۔ اسی موسم میں

بار نے ایسی حالت میں کوچ کیا کہ چاروں طرف برف باری ہو رہی تھی۔ خود
 رہبر بنا اور بے انتہا جانکشی سے اپنی فوج کو خستہ اور تباہ حالت میں دہلی
 پہنچایا۔ وہاں پہنچ کر تو بالکل ہی آس ٹوٹ گئی۔ شدت کا طوفان تھا۔ برف
 بہت گہری جم گئی تھی۔ اور وہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک آدمی سے زیادہ ایک
 ساتھ نہ جاسکتا تھا۔ مگر بار بڑھا ہی چلا گیا اور رات ہوتے ہوتے ایک ایسے
 غار پر پہنچا جس میں چند آدمیوں کے لائق گنجائش تھی۔ بار کے مزاج میں جو
 اعلیٰ درجہ کا جوہر دلی کا تھا اسکے اقتضا کے بموجب اُس نے اپنے ہمراہیوں
 کو اس غار میں جگہ دی اور خود اُس کے وہاں کے قریب ایک بلچہ لیکر اپنے واسطے
 برف میں ایک گڑھا کھود لیا۔ اسی عرصہ میں جو لوگ غار کے اندر گئے تھے
 وہ جتنا آگے بڑھتے گئے اسی قدر غار کی وسعت زیادہ نظر آئی اور یہ معلوم ہوا
 کہ اس میں پچاس ساٹھ آدمی تباہ لے سکتے ہیں۔ تب بار بھی داخل ہوا اور اپنے
 ہمراہیوں کے ساتھ جو تھوڑی سی رسد رہ گئی تھی اُس کے کھانے میں شریک ہوا دوسرا
 دن صبح کو برف باری موقوف ہوئی اور ہولے مژدہ ٹھہر گئی تو فوج آگے بڑھی
 آخر کار ماہ فروری کے آخر میں کابل کے قریب پہنچے۔ مگر بیان اتنے ہی
 یہ سنا کہ شہر میں غدر ہو گیا ہے اور اگرچہ اہل قلعہ اب تک بہت قدم میں گرجات

بہت تاثر ہو رہی ہے۔ بابر اس نازک وقت کے لیے طیار تھا۔ اپنے طرفداروں سے پیام سلام شروع کیے اور بہت خوبصورتی کے ساتھ یکایک پیغمبری کی حالت میں پھر کابل لے لیا۔ باغیوں کے ساتھ جو سلوک اُس نے کیا وہ انتہا درجہ کی رحم دلی کا تھا۔

اسی سال یعنی ۹۷۷ھ کے موسم بہار میں اذکون کے سردار شیبانی خان (جو پہلے بابر کو سمرقند سے نکال چکا تھا اور بلخ پر حملہ کر کے فتح کر چکا تھا) نے خراسان پر حملہ کیا اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ قندھار جو اب تک فرمازدایان ہرات کے مضامفات سلطنت میں سمجھا جاتا تھا اسپر میر ذوالنون بیگ (جو سلطان حسین مرزا کے تحت میں حاکم قندھار تھا) کے لڑکے قابض ہو گئے تھے۔ اُن لوگوں نے شیبانی کے خلاف بابر سے مدد مانگی چنانچہ بابر قندھار روانہ ہوا۔ راستہ میں سلطان حسین کے نکالے ہوئے گھرنے کے بہت سے سولہیں اسکے ساتھ ہو گئے۔ مگر اسکے قندھار پہنچنے سے پہلے ہی شیبانی خان نے ذوالنون کے بیٹوں کو ایسا دبا دیا تھا کہ انھوں نے اسکی بادشاہت قبول کر لی تھی۔ چنانچہ انھوں نے بابر کو اس حال کی اطلاع اس طریقہ سے کی کہ شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ بابر بھی مستعد ہو گیا کہ اب اسلحہ ہی کے زور سے اپنا حق لوٹے گا۔

اُسکے پاس کچھ فوج بٹھار نہ تھی مگر اُسے اپنے آپ پر اور اپنی فوج پر بھروسہ پورا تھا۔ پہلے پہل قلات غلزنئی میں اس صورت حال کے تغیر کی ہوا سکی ناک میں پہنچی تھی۔ وہیں سے اُسے تارناک کے معبر کی طرف کوچ بول دیا جب وہ ان اُسکے خیالات کی تصدیق ہوئی تو وہ جنگ کے خیال سے دریائے کنارہ کنارہ بابا والی کی طرف بڑھا۔ (یہ مقام قندھار سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے)۔ اور کالی شاد کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ یہاں آرام کر نیکی نیت سے ٹھہر گیا اور اپنے رسد رسانوں کو رسد فراہم کر نیکی غرض سے روانہ کیا۔ یہ لوگ لشکر سے چلے ہی تھے کہ غنیم کی فوج جسکی تعداد پانچھار تھی شہر کی طرف سے اوھر بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ بابر کے پاس کل جمع ایک ہزار مسلح آدمی تھے باقی رسد جمع کر نیکی فکر میں گئے ہوئے تھے۔ مگر اُسے سوچا کہ اب پس و پیش کا وقت نہیں ہے اپنے آدمیوں کو حملہ روکنے کی ترتیب سے جما دیا اور حملہ کا منتظر رہا۔ اس حملہ میں خود ذوالنون کے بیٹے فوج لیکر بڑی جان بازی سے مقابلہ میں آئے مگر بابر نے نہ صرف انکو پسا کر کے بھگا دیا بلکہ تعاقب کر کے انکو شہر سے الگ کر دیا اور شہر مع تمام خزانجات کے بابر کو مل گیا۔ اس لڑائی میں بہت بیش بہا غنیمت ہاتھ لگی۔ مگر بابر قندھار میں ٹھہرا نہیں۔ اپنے بھائی

ناصر مرزا کو وہاں کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور خود کابل کو مراجعت کی اور
جودائی شہر میں نہ وہ خود رقم طراز ہے بہت غنیمت اور بڑی ماموری کے
ساتھ کابل پہنچ گیا۔

یہاں پہنچکر وہ بھی نہ لینے پایا تھا کہ پھر یہ سنا کہ شیبانی خان قندھار کے
ہاتھ لگ گیا ہے اور بھائی کو محصور کر لیا ہے حیران ہوا کہ کیا کوئے کیونکہ اتنی
قوت تھی کہ میدان میں شیبانی کا مقابلہ کر سکے۔ مگر چونکہ قدرتی طور سے
مذہب و مانع ہوا تھا اس نے فوراً یہ سمجھ لیا کہ اس وقت جو طریقہ میرے لیے سب سے
زیادہ کارآمد ہو گا وہ یہی ہے کہ یہ ظاہر کروں کہ جنگ کے لیے تیار ہوں۔
اب بھی تذبذب رہ گیا کہ یہ اظہار بختان کی طرف منسوب کیا جائے کہ وہاں سے
سمندر کی حالت محدد و شہر ہو جائیگی یا یہ کہ ہندوستان پر چڑھائی کی بجائے۔ آخر کار
یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان ہی پر چڑھائی ہو جس قدر جلد منسلک کیا تھا اسی سرعت
کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا اور دریائے کابل کے نیچے نیچے دریاے اندلس
کی طرف روانہ ہوا۔ مگر حلال آباد پہنچے چند ہی روز ہوئے تھے کہ یہ سننے میں
آیا کہ قندھار والوں نے شیبانی کی اطاعت کر لی۔ یہ سنا کہ گویا اس مہم کا منشا ہی فوت
ہو گیا اور بابر کابل واپس آیا۔

آئندہ سات برس کے زمانہ میں اگرچہ واقعات بہت سے گزرے مگر انکا ذکر سرسری ہی طور پر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سات برس (۱۵۷۵ء تا ۱۵۸۱ء) میں بابر نے شمال کی جانب چڑھائی کی۔ فرغانہ پھر لے لیا اور دیکھو کنکست دی۔ بخارا اور مرقند فتح کر لیا۔ مگر اوزبک پھر لوٹ کر آئے اور بابر کو شکست دیکر ان دونوں شہروں کے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ انکو پھر لے لینے کی کوشش میں بابر نے غجدوان میں شکست کھائی اور پھر حصار بھاگا۔ کچھ عرصہ بعد جب امید میں جان باقی نہ رہی تو وہ اوائل ۱۵۸۱ء میں پھر کابل واپس آ گیا۔ اسکے بعد آٹھ برس باور لیسے گزرے کہ اس زمانہ کے واقعات بھی سرسری ہی طور سے لکھنے کے ہیں۔ اس زمانہ میں بابر نے بہاؤری افغانوں کی سرزنش کی۔ سوات فتح کیا اور آخر کار ۱۵۸۵ء میں ایک صلحنامہ کی رو سے قندھار بھی اسے مل گیا۔ قندھار پر قبضہ کر کے مع مصافعات قندھار (جنہیں اس قبیلہ زمین کے بھی کچھ حصے شامل تھے جو دریاے ہند کے نیچے واپس بہاؤ کے متوازی

مشرقی تاریخ میں دو مقام حصار کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک تو ہندوستان میں دہلی سے تقریباً سو میل جنوب شمال واقع ہے اور دوسرا ایران کے صوبہ آذربایجان میں تخت سلیمان سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے جس حصار کا ذکر بیان کیا گیا ہے وہ دریاے دجلہ کے کناروں میں سے ایک سو تیس میل جنوب شمال و مشرق واقع ہے۔

چلی گئی تھی) اپنی سلطنت میں ملا لیا۔

اس عرصہ میں ذوالنون کا فرزند اکبر جو پہلے قندھار میں حکمران تھا سندھ پر چڑھ کر گیا اور فتح کر لیا اور بھکر کو اپنا دارالسلطنت بنایا جون ۱۵۶۲ء میں وہ مر گیا۔ جب اسکی خبر شاہ حسن حاکم زسا پور کو پہونچی تو اس شریف سردار نے کہ تم بوجہ کے گمراہی کا سچا جان بٹا رہا تھا فوراً بابر کی بادشاہت کا ڈنکا بجوایا اور سارے سندھ کے ملک میں اُسی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ مخالفت تو بہت ہوئی۔ مگر شاہ حسن نے سارا صوبہ زیر کر لیا اور بابر کو اپنا والی مان کر حکومت کرتا رہا آخر کار ۱۵۶۴ء میں وہ طمان بلایا گیا۔ اُسکے قلعہ طمان پر چڑھائی کی اور عرصہ تک محاصرہ والے رہنے کے بعد اگست یا ستمبر ۱۵۶۶ء میں یورش کر کے قلعہ لے ہی لیا۔ اسی عرصہ میں ہندوستان میں بہت سے واقعات ہو چکے تھے۔ ۱۵۶۹ء اپریل سنہ مذکور کو جنگ پانی پت کی بدولت ہندوستان بابر کے ہاتھ آگیا تھا۔ بابر کے اس ٹاکہ پر حملہ کرنے کے حالات بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بہت مختصر طور پر یہ تذکرہ بھی کر دیا جائے کہ اس زمانہ میں جو لوگ یہاں حکمران تھے انکی کیا حالت تھی۔

چوتھا باب

بابر کے حملے ہندوستان پر

ہندوستان کی تاریخ کے متبادل زمانہ میں ایام سلف سے گیارہویں صدی کے آغاز کے محمود غزنوی والے حملہ تک جو حالت تھی اسکا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے حالات کی تفصیلی معلومات دنیا میں بہت کم ہیں۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس ملک میں انڈس سے لے کر راس کلماری تک بہت سی مختلف قومیں آباد تھیں اور وہ مختلف زبانیں بولتی تھیں۔ برہمن بودھ اور جین مذہب رائج تھے اور جڑاریان اوقات معلوم پر مختلف صوبوں اور قسمتوں کے بادشاہوں میں ہوا کرتی تھیں انہیں سے اکثر مذہبی ہونی تھیں۔

سب سے پہلے سولہ امین محمود غزنوی کے حملے سے اس نظام میں خلل واقع ہوا۔ لیکن اگرچہ محمود اور اسکے غزنوی خاندان والے اور قائم مقام وہلی اور راجپوتانہ اور گجرات کی آخری حد تک پہنچ گئے تھے ان لوگوں کی مستقل حکومت علی طور پر پنجاب سے لگے نہیں بڑھی۔ دریائے ستلج کے جنوب و مشرق

ملک برابر رہندہ فرمانروایوں کا تابع رہا۔ مگر ^{۱۵۵۵ء} میں غوری خاندان نے غزنوی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا بانی مغربی افغانستان کے ضلع غور کا رہنے والا تھا۔ یہ مقام شہر برات کے ایک سو میں میل جانب جنوب و مشرق کابل کے راستہ پر واقع ہے ^{۱۵۵۵ء} میں خاندان بھی نابود ہو گیا اور خلجی یا غلجی خاندان قائم ہوا۔ اس گھرانے کے بادشاہ ^{۱۵۵۵ء} تیس برس تک دہلی و ران مالک مغربی و شمالی کے نام سے مشہور تھے حکومت کرتے رہے اور اپنے فتوحات کو زبدا اور دکن کے آگے تک بڑھا کر ^{۱۵۵۵ء} میں تین غلاموں کے قتل خاندان کے لیے جگہ خالی کر دی۔ شاہان قتل استحکام دینے کے فن سے نا بلد تھے کیا نوے برس جو انھوں نے سلطنت کی تو اس عرصہ میں بہت سے صوبے دہلوی مرکز حکومت سے الگ ہو گئے۔ سلطنت حالت انحطاط میں تھی ہی تیور کا حملہ ^{۱۵۵۵ء} اور بھی اسکے حق میں ہم قاتل ہو گیا۔ البتہ بارہ برس تک بادشاہ وقت سلطان محمود کے پاس سلطنت باقی رہی۔ پھر کچھ عرصہ کے لیے اس خاندان میں چلی گئی جسے کوئی شاہی حقوق حاصل نہ تھے۔ یہ خاندان جسے اہل تاریخ سیدون کا خاندان کہتے ہیں برے نام ^{۱۵۵۵ء} تیس برس تک شمالی ہندوستان پر حکومت کرتا رہا۔ مگر اس سلطنت میں کچھ اتفاق نہ تھا

اور لودی خاندان کے ایک طاقت ور افغان نے موقع پا کر اپنے پاس قوت
جمع کر لینے کی کوشش کی۔

اس زمانہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی یہ صورت ہو گئی تھی
کہ متفرق صوبوں پر متفرق سردار سلطہ تھے اور سچ پوچھیے تو یہ سب کے سب
کسی ایک فرمانروا کے تابع نہ تھے۔ شاہ اسماعیل دہلی اور اسکے آس پاس کے
تھوڑے سے ملک پر سیدون کے خاندان والے قابض تھے۔ دار الحکومت
کے چودہ ہی میل کے اندر احمد خان بیوات میں خود مختار حکومت کرتا تھا۔
صوبہ سنبھل جواب روہیلکھنڈ کے نام سے مشہور ہے اور جو برابر شہر دہلی تک
جلا گیا ہے دریا خان لودی کے تصرف میں تھا۔ جلیسر جواب ضلع ایٹہ ہو گیا ہے
جیسے خان ترک کے پاس تھا۔ وہ ضلع جواب فرخ آباد کے نام سے مشہور
ہے راجہ پر تاب سنگھ کے پاس تھا۔ بیاناہ داود خان لودی کے پاس تھا۔
لاہور اور دہلیال پور اور سرسند پانی پت کے جنوب تک بہلول لودی کا قبضہ
تھا۔ مٹان جو پور بنگال مالوہ اور گجرات میں ہر جگہ الگ اپنا اپنا بادشاہ تھا
ان میں سے بہت سے صوبوں اور نیز اس مشرقی ملک پر جو مغربی
پہاڑ کے ٹھیک شمال میں واقع ہے سیدون کے خاندان کے زوال کے

(۱۵) غایت (۱۵۴۸ء) بھول لودھی جو سلطان بھول کے نام سے مشہور ہوا فرمانروائی کرتا رہا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان سکندر لودھی بادشاہ ہوا اور بہار کو زیر کر کے بنگال پر حملہ کیا۔ مگر بالآخر صوبہ بنگال وہاں کے بادشاہ علاء الدین ہی کے پاس چھوڑ دیا اور اقرار کر لیا کہ اب کبھی بنگال پر چڑھائی نہ کروں گا۔ اور وسطی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ تخت و تاراج کر ڈالا۔ جب ۱۵۵۸ء میں اُسے وفات پائی تو اُسے اس صوبہ کو جو اب پنجاب کہلاتا ہے اور مالک مغربی و شمالی (جس میں جوینور بھی شامل تھا) اور وسطی ہندوستان اور مغربی بہار کو اپنی عملداری میں مجتمع کر لیا تھا مگر سچ پوچھیے تو یہ اجتماع محض پرلے نام تھا۔ افغان سردار جنکو لودھی سلطان نے ضرورت سے مجبور ہو کر مختلف صوبے سپرد کر رکھے تھے ایک طرح پر ضرورت اپنے بادشاہ کے ماتحت جاگیر کا تعلق رکھتے تھے مگر ہر سردار اپنے اپنے علاقہ میں پورا پورا خود مختار تھا اور اپنے ہی احکام کی تعمیل چاہتا تھا۔

اس انتظام کا نتیجہ یہ تھا کہ جب سلطان سکندر مر تو بہت سے بڑے بڑے سردار اس پرلے نام ماتحتی کی بھی تاب نہ لاسکے اور سب نے بالاتفاق یہ ٹھہرائی کہ اُسکے بیٹے ابراہیم کو صرف دہلی کی بادشاہت دلا جائے

کرین اور جو پنور کو چھوڑ کر سلطان مرہوم کی باقی سلطنت آپس میں تقسیم کر لیں۔
 جو پنور کا صوبہ براہیم کے چھوٹے بھائی کو دیدیا جائے کہ شاہ دہلی کے تابع
 ہو کر الگ بادشاہت کرے۔ مگر اپنے ایک عزیز خان جہان لودی کے سمجھانے سے
 براہیم نے جو اجازت دیدی تھی اُس سے انحراف کیا اور اپنے بھائی کو جو جو پنور
 روانہ ہو چکا تھا واپس بلایا۔ بھائی نے واپسی سے انکار کیا تھا جنگ ہوئی
 اور براہیم فتحیاب رہا۔ اپنے بھائی کے مرنے پر شاہ عالمین براہیم نے
 اپنے بلند حوصلہ سرداروں پر اپنا رعب حکومت جمانا چاہا۔ انھوں نے بغاوت
 کی۔ اس نے بغاوت کو فرو کیا۔ مگر اس فتحیابی سے جو ظالمانہ کام اُس نے لیے
 ان سے بجائے اسکے کہ ناراضی کی آگ پر پانی پڑے بغاوت کے شعلے اُٹھ
 بھڑک اُٹھے۔ صوبجات بہار اور دہ و جو پنور سلج ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے پنجاب
 نے بھی ان ہی کی تقلید کی۔ یہ خانہ جنگی بڑے جوش و خروش سے ہوئی اور
 دو دنوں طرف تقدیر پلٹے کھاتی رہی۔ جب یہ اتہری کی حالت انتہا کو پہنچ گئی
 تو سلطان براہیم کا چچا علاء الدین بھاگا بھاگا بیر کے پاس پہنچا کہ وہ
 اس زمانہ میں اضلاع قندھار پر تسلط بٹھانے میں مصروف تھا۔ اور اُس سے
 التجا کی کہ مجھے دہلی کے تخت پر بٹھا دیجیے۔ قریب قریب اسکے ساتھ ہی ماتم

دولت خان حاکم لاہور جو ابراہیم کے فوجی سردار۔ سے تنگ آیا تو شاہ کابل کے پاس یہ اور بھی زیادہ دلکش پیام پہنچا کہ میری مدد کیجئے تو اسکے صلہ میں آپ کو اپنا بادشاہ مان لوں گا۔ بابر راضی ہو گیا اور فوراً لاہور کی طرف روانہ ہوا۔

ہندوستان کی اندرونی حالت کا جو نقشہ میں نے اوپر کھینچا ہے اس سے امید ہے کہ ناظرین بخوبی سمجھ لیں گے کہ محمود غزنوی کے حملہ کے بعد جو پانچ صدیان گزوبین انہیں کیوں کسی خاندان کی سلطنت اچھی طرح جڑ نہ پکڑ سکی کیا غزنوی کیا غوری کیا تغلق کیا سیکیا لودی غزنویہ خاندان کا جو جانشین بن گیا وہ اپنے ہی فائدہ اور اپنے ہی ذات کے واسطے لڑتا جو بادشاہ برسر حکومت ہوتا اسکے سردار بھی اس خصوص میں اپنے مالک ہی کی تقلید کرتے۔ غرض ہندوستان اس طرح تاخت و تاراج ہو چکا تھا اور اسکا کچھ حصہ جاگیردار سرداروں کے پاس بھی تھا۔ ان جاگیرداروں پر اطاعت واجب تو تھی مگر اسکا ادا ہونا نہ ہونا بادشاہ کی طاقت اور لیاقت پر منحصر تھا۔ فاتح و مفتوح کی اغراض اس طرح ایک نہیں کہیں گے تھیں جیسے انگلستان فتح ہونے پر دہان کے فاتح کی تھیں۔ مسلمان لوگ گویا غیر قوموں کے قاصد بادشاہ تھے اور وہ غیر قومیں اسوجہ سے اطاعت کر رہی تھیں کہ مقابلہ کا پیرا نہ تھا۔ اسکا خیال بھی نہ آتا تھا کہ جو خاندان برسر سلطنت ہو

اُسکے ساتھ ہمدردی کا مادہ انہیں پیدا کیا جائے۔ فتح لوگ اجنبی وار لگے۔ اور اجنبی وار رہے بھی۔ انکا قبضہ محض بیرونی تھا۔ رعایا کے دلوں میں انکی محبت نے جڑ نہیں بکڑی تھی اور محض تلوار کے زور سے قبضہ قائم تھا۔ اس خصوص میں اس خاندان اور اس خاندان مغلیہ میں جبکا بادشاہ اکبر تھا اور جو ان خاندانوں کے بعد ہی قائم ہوئے۔ انکا زمین آسمان کا فرق تھا۔

اُس روادری کی آمد کو چھوڑ دیجیے جسکا ذکر تیسرے باب کے شروع میں ہو چکا ہے تو بابر کا پہلا حملہ ہندوستان پر ۱۵۱۹ء میں ہوا۔ بعض مورخ رادوی ہیں کہ اسی سال دوسرا حملہ بھی ہوا۔ مگر غالباً فرشتہ کی یہ روایت صحیح ہے کہ یہ بابر کا نام حملہ محض یوسف زئیوں پر چڑھائی تھی کہ اسی کے سلسلہ میں بابر پشاور تک بڑھ آیا تھا مگر دریائے انڈس کو عبور نہیں کیا۔ بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ ۱۵۱۹ء میں اُسے پھر چڑھائی کی اور یہ چڑھائی تیسرے حملہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس دفعہ بابر نے انڈس عبور کیا۔ جو حصہ ملک اب قسمت راولپنڈی کہلاتا ہے، اُسکو طے کر کے دریائے جہلم عبور کیا۔ اور سیالکوٹ پہنچا مگر اُسے چھوڑ کر سید پور گیا اور اُسے تاراج کیا۔ وارا سلطنت کابل پر حملہ ہونے کے اندیشہ سے اسے بیان سے مراجعت کرنی پڑی۔

تیسرے یلغار میں جو ناکامی ہوئی اس سے بابر کو اب پورا یقین ہو گیا کہ
ہندوستان کے کسی حملہ میں کامیابی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی کہ قندھار
میں اچھی طرح سے پاؤں نہ جم جائیں۔ اس وجہ سے آئندہ دو تین برس تک
بابر اسی میں لگا رہا کہ اس حصہ جبین پر تسلط بٹھالے اور غزنین اور خراسان
درمیانی ملک کو بھی اپنا کر لے۔ وہ ان صوبوں پر عمدہ طور سے مسلط ہونے
میں کامیاب ہوا ہی تھا کہ علاء الدین لودی اور دولت خان حاکم لاہور کے
پیام پہنچے۔ دولت خان کا پیام سنکر نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان پر چڑھتا
حملہ کر دے۔ ایک دفعہ پھر انڈس جھلم اور چناب عبور کیے اور لاہور سے سو
میل کے اندر ہی اندر بڑھ آیا۔ یہاں لودی خاندان کے طرفداروں کی فوج
سے مقابلہ ہوا اور نہ سے شکست دی۔ بابر کی فوج کو لاہور غنیمت معلوم ہوا۔
مگر یہاں صرف چار دن ٹھہر کر آگے بڑھی اور دیپال پور پہنچ کر پوریش کی۔
دولت خان اور اسکے بیٹے بھی آنے لے۔ مگر ان لوگوں کو جو انعامات عطا ہو
اس سے انکی سیری نہ ہوئی اور اپنے نئے آقا کے خلاف سازش کرنی شروع کی۔
بابر وہلی جا رہا تھا۔ سرہند کے قریب پہنچ کر اسے ان لوگوں کی کار سازیاں معلوم
ہو گئیں۔ اور نے یہ قصد کر لیا کہ سرہند آگے بڑھا ملتوی کر کے کابل کو لوٹ جا

چنانچہ ویسا ہی کیا۔ گرجا بنے۔ سے پہلے پنجاب کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے جن سرداروں کی وفاداری پر اعتماد تھا ان کے حوالہ کر دیا۔

بار بھی انڈس پار اتر رہی ہوگا کہ پنجاب میں از سر نو بل چل چکی تھی۔ علامہ الدین ہودی جسے ویسپال پور کا ضلع ملا تھا یہاں سے مایوس ہو کر اس امید پر کابل کو بھاگا کہ باہر خود اگر ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ مگر بار اس وقت اسکی یہ امید پوری نہ ہو سکی کیونکہ انوکھ بلج کا محاصرہ کیے لیتے تھے۔ تاہم علامہ الدین کو کچھ فوج دی گئی اور اپنے پنجاب کے سرداروں کے نام حکم بھیج دیا کہ اسکی مدد کریں۔ پھر بھی اس شاہزادہ کو اس بڑھائی میں ناکامی نصیب ہوئی اور پریشانی کی حالت میں پہلی سے پنجاب بھاگ آیا جس وقت یہ پنجاب میں پناہ گزین ہوا ہے بار ہندوستان پر اپنا جوان حملہ کرنیکی طیاری کر رہا تھا۔

میں اس حملہ کے بہت ہی مختصر حالات لکھنے پر قناعت کرونگا۔ اپنے بیٹے جہا یون کو لیکر درہ خیبر سے اتر کر باہر پشاور میں آیا۔ دودن وہاں ٹھہرا۔ ۱۶۔ دسمبر کو انڈس عبور کیا اور بڑی تیزی کے ساتھ سیالکوٹ کی طرف بڑھا۔ ۲۹۔ دسمبر کو

ویسپال پور ضلع انگری میں ایک قصبہ ہے جہاں ہوسے چالیں سیلاب جانب جنوب و مغرب فتح

ہے۔ بار کے وقت میں یہ بہت بڑا مقام تھا۔

وہاں پہونچکر حلاۃ الدین کے شکست پانے اور بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا۔ مگر
ہمت نہ ہاری اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت پر سرور کی طرف کوچ کیا۔
یہ مقام دریائے راوی کے کنارہ سیالکوٹ اور کالانور کے پہونچنے میں واقع
ہے۔ وہاں سے بیاس کی طرف بڑھا اور اسے عبور کر کے ملوات کے مضبوط قلعہ
پر چڑھائی کی کہ یہیں اسکا سب سے پہلا حامی دولت خان پناہ گزین تھا۔ ملوات
بہت جلد زیر ہو گیا۔ پھر بابر جاندھرو و آب مین ہو کر ستلج کی طرف بڑھا۔ اور جیسا کہ
وہ خود لکھتا ہے ”ہمت کی رکاب مین پاٹون رکھ کر اور تائید ایزدی کی لگام ہاتھ
مین لیکر“ روپڑ کے پاس اپرا اتر۔ وہاں سے انبالہ ہوتا ہوا سرسدا کے سامنے
جہاں کنارہ آگیا۔ وہاں سے دو منزل دریا کے نیچے کی طرف کوچلا۔ دو منزل اور
بڑھ کر پانی پت پہونچا کہ یہ مقام وہلی سے تریں میل جانب شمال و مغرب واقع ہے
یہاں پہونچکر مقام کیا انور فوج کی قلعہ بندی کی۔ اس دن اپریل ۱۵۵۶ء
کی بارہویں تاریخ تھی۔

اس مقام کا متصل اور ملحقہ حال ابہر نے خود اپنی فوژک ابہری کے کئی صفحوں
میں لکھا ہے۔

* سرسدا دریا جہاں کے جنوبی کنارہ پر سہارنپور سے دس میل کے فاصلہ پر مغرب و شمال
کے درمیان کے گوشہ میں واقع ہے۔

نودن بعد ابراہیم لودھی فوج لیکر آیا (جسکی تعداد بابر کے اندازہ میں ایک لاکھ تھی) اور اس حملہ آور پر اُسی کے مورچوں پر آکر حملہ کیا۔ بابر لکھتا ہے کہ جب ”جنگ شروع ہوئی تو آفتاب ایک نیزہ پر آگیا تھا۔ اور دو پہر تک جنگ برپا رہی کہ اس وقت غنیم بالکل ہی خستہ اور تباہ حال ہو گئے۔ یہ فتح ہر طرح پرشانی تھی۔ ابراہیم لودھی نے بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی اور ہندوستان اس فاتح کے قدموں سے آگیا۔ اُسی دن بابر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر سیکے لیے فوج روانہ کی۔ دہلی میں ۲۴۔ اپریل کو اور آگرہ میں ۴۔ مئی کو حسب خواہ نتیجہ ظہور میں آیا۔ ++

x x توڑک بابر یمن یہ حالات لکھنے کے بعد کہ وہ کس طرح جھوٹی سی حالت سے ابتدا کر کے ہندوستان سے مبارک ملک کا خارج بگیا بابر لکھتا ہے کہ ”میں اس کامیابی کو اپنی ذاتی طاقت کی طرف نہ منسوب نہیں کرتا اور نہ یہ خوش تقدیری میری حسن تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ یہ سب خدا کی مہربانی اور رحم کے چشمہ سے جھکوا ملا ہے۔“

پانچواں باب

شمال و مغرب کے دو بڑے بڑے طاقت کے مرکزوں کا مالک
 بنکر باہر نے جو بڑا مدبر اور آل اندیش تھا ہندوستان کی واقعی حالت کا جائزہ
 لیا۔ فوراً اسکی سمجھ میں آگیا کہ میں شمالی ہندوستان کا مالک ہوں اور میں ہی
 اکل کائنات ہے۔ اودھ جو پنور اور غزنی بہار کے بڑے بڑے صوبے بڑے بڑے
 کے خلاف باغی ہو گئے تھے اور اگرچہ شہزادہ مذکور نے باغیوں سے
 مقابلہ کر نیکو فوج بھیجی تھی یہ بات یقینی تھی کہ اس نئے حملہ آور کے خلاف دونوں
 فریق ایک ہو جائیں گے۔ پھر بنگال وہاں کے بادشاہ نصرت شاہ کا تھا۔ گجرات
 سکندر شاہ کے پاس تھا۔ مالوہ میں سلطان محمود کی حکومت تھی۔ تین سلطنتیں بڑی
 طاقت ور اور خود مختار تھیں۔ البتہ مالوہ کا ایک حصہ نامور ہندو راجہ رانا ساسا
 پھر فتح کر لیا تھا اور اس حصہ میں قلعہ جات ذیل شامل تھے۔ چار سالہ زمانہ میں
 بہت مشہور تھے۔ رنچبور جو دریا۔ جہنم اور بنارس کے سنگم کے گوشہ میں
 واقع ہے۔ سارنگ پور جو کالی سندھ کے کنارہ پر ہے۔ بیسویں جو ہندوستان کا
 ہے۔ چندیری پچھتر۔ جنوبی ہندوستان کے گوشہ میں واقع ہے۔

بلو شاہت قایم کی تھی اور وجہ انکر کا راجہ خود مختار تھا۔ بابر کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے راجہ اور ملے ایسے بھی ہیں کہ کبھی مسلمان بادشاہوں سے زیر ہی نہیں ہوئے۔

مگر یہ بھی بابر بہت جلد سمجھ گیا کہ ان معدودے چند راجاؤں کی خود مختاری سے کوئی بڑی شکل نہ پیش آئیگی۔ اصل شکل یہ تھی کہ جو خاندان بابر سے پہلے بر سر سلطنت رہے انھوں نے ہندو رعایا کی تالیف قلوب نہیں کی اس لیے وہ لوگ اس حملہ آور کی دشمنی پر آمادہ تھے۔ اگر سکین صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال میں اب تک بہت کچھ ہندوؤں کا نظام قائم تھا۔ گاؤں اور ضلع کے انتظام اور حکومت کا وہی دستور چلا جاتا تھا۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے سرداروں کی جاگیروں یا چھوٹی چھوٹی مقامی حکومتوں کی تقسیم قایم تھی۔ اور انکی انقلابات میں رعایا بہ نسبت اسکے جو دار الحکومت میں فرما زو ہوتا تھا۔ اسی کا زیادہ خیال کرتی تھی جو خاص اُنکے اوپر بر سر حکومت ہو۔ مختصر یہ کہ کچھ کبھی ایسے خوش ترکیب نظام کا خیال اُنکو نہیں آیا تھا کہ جو بے بڑی طاقت والے ایک ہی مرکز سے چلتا ہو ایسے جو سب سے آخر کا خلق ہوتا تھا اسے وہ ناخواندہ صانع سمجھتے تھے اور اسکی مخالفت ہی میں اپنا فائدہ سمجھتے تھے۔

پرنے شاہی خاندانوں کے مسلمان وفادارین کی سازشوں نے
اُس ہراس کو اور بھی بڑھا دیا جو ایسے نئے حملہ آور کے آنے سے پیدا ہوا تھا
جبکہ مزاج اور عادات سے یہاں کے لوگ بالکل بے خبر تھے۔ ان لوگوں کی
حجت یہ تھی کہ اس حملہ آور غل کی کامیابی کے معنی ہیں ہم سب کی بربادی۔
انہوں نے کوئی دقیقہ ہندو رعایا کے دلوں پر یہ جادوینے کا اٹھا نہیں کھا
کہ ان وسط ایشیا کے دشمنوں کی حرص و ہوس سے نہ تمہارے مندر محفوظ
رہیں گے اور نہ تمہاری بہو بیویاں۔ ان فحاشیوں سے جو ہراس دل میں جا گیا
تھا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ رحم دل اور فیاض حملہ آور اگر وہ کی طرف بڑھا تو
ہندو لوگ بھاگ گئے کہ عزت جانے کا یقین ہو تو اُس سے جنگ کی مصیبتیں
اٹھانی بہتر ہیں۔

بابر کو یہ شکل اور آن پڑی کہ اسی زمانہ میں اُسکی فوج میں ناراضگی پھیلی۔
اس فوج میں زیادہ تر شرقی افغانستان کے بلند سلسلہ کوہ کے پہاڑی لوگ تھے
جب تک لڑائی کی امید رہی یہ لوگ خوشی خوشی اپنے بادشاہ کے ساتھ چلے
گئے۔ مگر پانی پت کی فتح سے سارا شمالی ہندوستان زیر ہو گیا تھا۔ دہلی سے
اگر وہ کا سفر ویران ملک میں ہو کر کرنا پڑا۔ موسم ایسا تھا کہ ہمیشہ ہی اُس زمانہ میں

سخت گرمی پڑتی ہے اور ۲۵ء میں تو اس غضب کی گرمی پڑی تھی کہ معمولی طور سے جو ہر سال گرمی ہوتی تھی اس سے کہیں بڑھی ہوئی تھی جیسے ہمارے شہزادہ چارل کے پہاڑی فوج والے ۲۵ء میں شاکی ہو گئے تھے ویسے ہی یہ پہاڑی فوج والے بھی شاکی ہوئے۔ یہ لوگ بھی اپنے پہاڑی وطن کو واپس جانے کے آرزو مند تھے۔ یہ ناراضی کچھ سپاہیوں ہی تک محدود نہ تھی۔ سردار بھی شاکی تھے۔ اور یہ شکایتیں اس درجہ بلند ہوئیں کہ آخر کار باربر کے کانون تک پہنچ گئیں۔

باہر اپنی فتحنامی سے بہت خوش تھا۔ نہ گرمی اور نہ رعایا کی ناراضی اسے اس بات کو مٹھتی رکھ سکتی تھیں کہ اُسے ایشیا کا سب سے عمدہ سب سے زیادہ ترخیز اور سب سے زیادہ قابل قدر فتح کیا ہے۔ اُسے اپنے عجیب و غریب تذکرہ (توزک بابری) کے بڑے بڑے چھپے ہوئے میں سے زیادہ صفحہ میں یہی حالات لکھے ہیں۔ اُسے شروع یون کیا ہے ”یہ بہت مادیلک ہے۔ اور ملکوں کے مقابلہ میں یہ بالکل نئی دنیا ہے۔ اُسے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ فتح کے جو حسی وہ سمجھے ہوا تھا اُسکے پورے طور سے حاصل کر لینے کے لیے سب کام بنانا یا ہے اور آئندہ سے شاہ کابل کا خطاب شہنشاہ

ہندوستان کے بڑے خطاب سے دب کر رہے گا مختصر یہ کہ اپنے ارادہ سے پلٹنا تو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

اُس نے سب وقتوں کا خیال کر لیا تھا اور یہ بھی سوچ لیا تھا کہ کیسے ان کو فتح کرنا ہو گا۔ چونکہ پورا کاروباری آدمی تھا اُس نے سب سے پہلے اس وقت کی جانب توجہ کی جو واقعی سب سے بڑی تھی۔ یعنی فوج کی ناراضی۔ اپنے سرداروں کو جمع کر کے ایک جلسہ میں اصلی حالت کا مرقع دکھلادیا اور یہ بتا دیا کہ دیکھو کیسی کیسی شدید منزلیں کرنے اور سخت لڑائیاں لڑنے کے بعد یہ مہینا رزخیر اور قسح ہو بے ہاتھ لگے ہیں۔ انکو چھوڑ کر کابل چلا جانا بڑی بے شرمی کی بات ہے۔ اپنی تقریر کے خاتمہ میں بابر نے کہا ”جو شخص اپنے تئیں میرا دوست کہتا ہے وہ آئندہ سے ہرگز ایسی رے نہ دیکھا۔ لیکن اگر تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ کسی طرح ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہو اور واپسی کے خیال سے باز نہ آئے تو وہ ابھی سے رخصت ہو جائے“ اس تقریر کا انتخاب دلخواہ ہوا۔ اور جب الفاظ کی جگہ افعال ہونے لگے اور نئے نئے وقوعہ ہوئے اور نئی نئی کالیباں نصیب ہوئیں تو ناراضی جاتی رہی جوش پیدا ہو گیا۔

بابر نے اپنے دوستوں میں سے ایک شخص کو جسے گرمی بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور جسے اسی

بار کی اس مستقل مزاجی کا صلہ ایک اور طریقہ سے بہت جلد مل گیا جب
 یہاں کے باشندوں اور نوآباد مسلمانوں اور ہندو زینہ اردن اور تاجروں کو
 یہ حال معلوم ہوا کہ بار اپنا قبضہ مستقل طور سے رکھنا چاہتا ہے تو انکا ہر اس
 یکایک کم ہو گیا۔ اسی عرصہ میں اسکی فیاض اور شریف طبیعت کے بہت سے
 ثبوت بھی مل گئے اور عوام کے دلوں پر انکا بڑا اثر پڑا۔ روز بروز اسکی جھنڈے
 کے نیچے لوگ جمع ہوتے گئے۔ دیہات والے اور دوکاندار اپنے گھروں کو
 واپس آئے اور پھر لشکر میں چل پھل ہو گئی۔ ابراہیم لودی نے جو فوج جوہنور
 اور ادھ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجی تھی اُسے بھی تھوڑے ہی عرصہ
 میں بابر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اسی درمیان میں اپنی فوج سے عقلمندی سے
 کام لیکر بابر نے رہسلیکھنڈ کا بھی بڑا حصہ فتح کر لیا۔ جہانگاراہ راہیری کے
 نامہ پر اپنا تسلط بٹھایا اور اٹاواہ اور دھولپور کا محاصرہ کر لیا۔ مگر وسطی ہندوستان
 میں کچھ وقتیں اسکو پیش آئینوالی تھیں اور اس طرف سے غافل رہ کر بھی بڑی بڑی ترقی تھی۔
 اُسے حاکم غزنین مقرر کیا گیا تھا اس زمانہ میں کہ یہاں باؤن خوب جم گئے تھے ایک قطعہ لکھکر بھیجا
 تھا جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے :- بار خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر کہ اُسے اپنی فیاضی سے سندھ
 اور ہند اور درہت سی سلطنتیں تجھ کو بخشی ہیں۔ اگر تجھے گرمی برداشت نہ ہو سکے اور سردی کا
 امان ہو تو بس یہ یاد کر کے کہ غزنین میں کیسا چار اور پالا پڑتا ہے۔

یہ دو تین رانا سانکارا نامے چتور نے برپا کی تھیں۔ مین یہ بیان کر چکا ہوں کہ کس طرح اس بڑے راجہ نے راجہ ہر اعتبار سے بڑا کملاٹے کا ستھن تھا پہلے کے مسلمان حملہ آوروں سے اپنی موروثی سلطنت کا ہمیش قرار حصہ واپس لے لیا تھا۔ سچ پوچھیے تو وہ اس سے بھی کچھ زیادہ کر گزرا تھا۔ ابراہیم لودی کو بکرا اول اور چاولی کی لڑائیوں میں دو دفعہ برسر میدان شکست دے چکا تھا اور اور سرداروں کے مقابلہ میں تو سولہ لڑائیاں جیت چکا تھا۔ بابر کے ہندوستان پہونچنے سے پہلے ہی رنجھور کا مشہور قلعہ لُٹنے لے لیا تھا۔ اور یہ ملک گیری کا سلسلہ ہنوز جاری تھا اور رانا سے بڑھاتا ہی جاتا تھا۔ اس وقت جس خبر سے بابر کو پریشانی ہوئی وہ یہ تھی کہ اس بڑے راجپوت راجہ نے کنڈار کا قلعہ (جو رنجھور سے چند میل جانب مشرق واقع ہے) لے لیا۔

برسات کا موسم قریب اختتام آیا تو بابر نے جلسہ مشورت کیا کہ اس وقت کے اور نیز اڑشکلون کے رفع کرنیکی کیا تدبیر کجائے۔ اس جلسہ میں یہ طے پایا کہ بابر کا فرزند اکبر ہمایون* جسکی عمر اسوقت اٹھارہ برس کی تھی پورب کی طرف

* مشہور تذکرہ بیٹے توڑک باری بن سندرجہ ذیل بادداشت ہمایون کی لکھی ہوئی ہے

روانہ ہوا اور دو آب اودھ اور جو پنور میں تسلیٹ بٹھائے اور بار بار غداگرہ میں
 رہ کر سب امور ملکی کی بذات خاص نگرانی کرے۔ رانا سا بھکا کے معاملہ میں پٹھری
 کہ پہلے نزدیک کے دشمنوں کو زیر کر لیا جائے پھر اُس پر چڑھائی کی جاوے۔
 ہمایون کو اس مہم میں پوری کامیابی ہوئی اُسے بہار کی سرحد تک کا
 ملک فتح کر لیا۔ جب ۶ جنوری ۱۵۵۷ء کو وہ واپس آیا تو بابر نے بیانہ اور دھولپور
 زیر کر لیا۔ گوالیار کا قلعہ بڑی چال سے لے لیا۔ طنان کے تسخیر ہو جانے کی
 بھی خبر آگئی۔ اب جو اٹلس سے لیکر مغربی بہار کی سرحد تک اور کالپی اور گوالیار
 سے لیکر کوہ ہمالیہ تک بابر کی عکداری ہو گئی تو پھر وہ نامی رانا سے چتور رانا سا بھکا
 کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۱ فروری کو بابر نے اگرہ سے رانا کی فوج کے مقابلہ میں
 کچ کیا۔ لودی خاندان کے مسلمان مددگار رانا سے مل گئے تھے۔ اُن کو لیکر

”وہ اسی مقام پر“ (مراۓ مقام شاہ آباد سے کہ دریائے سرستی کے بائیں کنارہ پر واقع ہے)
 کہ پانی بہت کے راستہ میں ملا ہے اور ”آج ہی کے دن“ (یعنی ۶-۷ مارچ ۱۵۵۷ء) ”ہمایون کی
 وائس میں مقررہ پانچ سو پہلی دفعہ لکھا۔ چونکہ میرے والد ماجد نے اس کتاب میں اپنے پہلی مرتبہ
 آستر لگنے کا ذکر کیا ہے لہذا میں نے بھی اپنے ساتھ اس واقعہ کے پیش آنے کی یادداشت
 بیان دے کر دی۔ اس زمانہ میں میری عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ اب کہ میری عمر چھالیس
 برس کی ہے میں محمد ہمایون حضرت شاہنشاہی کی دست خاص کی لکھی ہوئی کتاب
 تو ذک فضل کر ہا ہون۔“

وہ بھی بڑھا۔ اور بابر میں لشکر ڈالا۔ یہ مقام بیان ہے تقریباً بارہ میل اور اگر وہ
سے بیان ہو کر تقریباً باسٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بابر سیکری (جواب
فتحپور سیکری کے نام سے مشہور ہے) تک بڑھا چلا گیا اور وہاں پہونچ کر مقام
کیا۔ پہلے جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں ان میں راجپوت ہی نفع میں رہے
اور بابر کے سپاہیوں میں بیدلی پھیل گئی اس وقت بابر نے اسی برقاقت
کی کہ اپنے لشکر کو جہان تک ممکن ہو ایسا مضبوط کر لیا کہ بخوبی حملہ روک سکے اور
ایک دستہ فوج کامیوات کے تاراج کرنے کے لیے بھیج دیا۔

اپنے لشکر کے قہض میں گرفتار معاملات کی رومی حالت مستقبل سے شکستہ
اور اس مجبوری کی بیکاری سے تنگ آکر بابر نے اپنی زندگی کے گزشتہ واقعات
پر نظر ڈالی اور بہت انکسار اور تاسف کے ساتھ یہ دریافت کیا کہ وہ قرآن مجید
کی ایک بڑے تاکید کی حکم کی جو شراب پینے کی ممانعت میں آیا ہے ہمیشہ خلاف کر رہی
کر رہا ہے۔ اُسے فوراً دل میں ٹھان لی کہ اسکی اصلاح کر کے رہونگا اپنے
خلایق ساعز اور فقری صراحیان منگا کر اپنے سامنے تھوڑا دالین اور چاندی سونا
بیچ کر اُسکے دام غریبوں کو خیرات کر دیے۔ لشکر میں جبکہ شراب تھی وہ پینے کے
کام کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اُسکے تین سو سرداروں نے بھی اُسی کی تقلید کی

آخذ کا یہ دیکھا کہ اب یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہرنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ پانچ
 کو دو میل غنیم کی طرف بڑھ گیا اور وہاں مقام کر کے دوسرے دن ایک ایسی
 جگہ پر پہونچا جو اُسے پہلے سے لڑائی کے لیے انتخاب کر رکھی تھی۔ یہاں
 اپنی فوج کے پرے جنگ کے لیے مستعد کر کے جما دیے۔ سوٹھوین تاریخ
 کو راجپوت اور اُنکے رفیق بڑھے اور رن پڑا۔ سابر نے اس لڑائی کا دلکش اور
 بالکل سچا حال اپنے تذکرہ میں لکھا ہے یہاں صرف اس قدر لکھنا ہے کہ اُسے
 ایسی صریح فتح نصیب ہوئی کہ دوسرے ہی دن راجپوتانہ اُسکے قدموں کے
 نیچے تھا۔ وہ بیاتہ تک بڑھ گیا وہاں سے سیوات پہونچا اور سارے ملک کو
 زیر کر لیا۔ اس فتح کا نتیجہ صرف یہ نہیں ہوا کہ اُسے اپنی ذاتی کوشش سے
 ملک بڑھایا بلکہ دو آب کے وہ شہر جو باغی ہو گئے تھے آپ ہی مطیع ہو گئے اور
 باہر کو مل گئے۔ جب دو آب میں بالکل امن ہو گیا تو بابر سب سے پہلے وسطی
 ہندوستان کے ہندو راجاؤں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس زمانہ میں چندیری
 کا راجہ ان راجاؤں کا سردار تھا۔ چندیری کے قلعہ (شہر اور قلعہ دو نون

× رانا نچا سخت زخمی ہوا اور اسکی فوج کے چندہ چیدہ سردار یکام آئے۔ رانے مذکور نے

ایسی برس سیوات کے سردار پر مقام سب دینا اتفاق کیا۔

ایک ہی نام سے مشہور ہیں یہ پونچکر بار کو خبر ملی کہ پورب میں اسکے فوجی سردار
 بد نصیب رہے اور لکھنؤ سے تعاقب کی حالت میں بھاگ کر قنوج آنا پڑا۔ چند
 کہ وہ جانتا تھا کہ یہ بیڈھب ہوئی ہے وہ اس خبر پر بھی مطمئن رہا اور چند یہی کام
 محاصرہ بدستور قائم رکھا اور چند دن بعد قلعہ پر یورش کی۔ اس ملک کو زیر
 کر کے باہر نے فوراً پورب کی طرف کوچ کیا۔ اسکے شکست پائے ہوئے فوجی
 سردار قنوج کے پاس مل گئے۔ وہیں دریائے گنگا پر پل بنادھا اور غنیمت
 لودھی خاندان کے پس ماندہ لوگوں کو اپنے سامنے سے بھگاتا ہوا پھر لکھنؤ پر
 اگر مسلط ہو گیا اور گومتی اور گھاگرہ عبور کر کے بیدل غنیم کو بالکل منتشر کر دیا۔
 وہاں سے اگر وہ واپس آیا اور رشتہ انتظام جسے سلجھاتا ہوا چھوڑ کر گیا تھا
 پھر ہاتھ میں لیا۔

مگر بابر کو فرصت سے بیٹھنے کی مہلت نہ ملی جو پنور کی قدیم سلامتی بجا
 اب تک اچھی طرح مطیع نہ ہوئی تھی۔ اور بہار کا زرخیز ملک جو جو پنور سے ملا ہوا
 ہے اس پر اب تک حملہ ہی نہ ہوا تھا۔ اب دونوں صورتوں کے مسلمان
 سردار ایک ہو گئے کہ لودھی خاندان کے ایک شہزادہ کو جس نے بابر کے
 مقابلہ میں رانا سا نکا کو مدد دی تھی دونوں صوبوں کی حکومت متفقہ پر لے لیا

کرین۔ یہ سازش استدراج چکے چکے ہوئی تھی کہ کیم فروری ۱۵۱۹ء سے پہلے
 بابر کو اسکی خبر بھی نہ ہوئی۔ اس وقت وہ دھولپور میں تھا کہ یہ مقام اُسے
 بہت عزیز تھا۔ یہاں اپنے سرداروں کے ساتھ باغات بنوارہا تھا اور
 شہر کی تزئین و ترتیب میں مصروف تھا۔ اسی دن اگر وہ واپس آیا ساوج
 کچھ فوج موجود تھی اُسے لیکر دوسرے ہی دن اپنے بیٹے عسکری کی فوج
 سے جانے کی غرض سے روانہ ہوا۔ عسکری کی فوج کرٹل کے قریب
 گنگا کے واسطے کنارے پر موضع دوکی میں پڑی ہوئی تھی۔ سائیس
 تاریخ کو بابر بیان پہونچا۔ عسکری کی فوج دریا کے دوسرے کنارہ پر پائی
 نور شاہزادہ کو ہدایت کی کہ ہم واسطے کنارہ چلتے ہیں تم چارے ساتھ ساتھ
 بائیں کنارہ پر برسے چلو۔

بابر کو یہاں جو خبر پہونچی تھی وہ کچھ تسکین بخش نہ تھی۔ غنیم کی فوج کی تعداد
 ایک لاکھ تھی کہ محمود لودی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی تھی۔ اور اسکا
 ایک سپہ سالار شیرخان جبکا اُسے اپنی خاص عنایات سے اعزاز بڑھایا تھا

۴۰ کہ اب دیران ہو گیا ہے۔ قسمت الہ آباد کی ایک تحصیل میں واقع ہے۔ بابر اور اکبر

کے وقت میں یہ مقام بڑی اچھی حالت میں تھا۔

باغیون سے مل گیا تھا اور اپنے حصہ فوج کے ساتھ بنارس پر قابض ہو گیا تھا۔ محمود لودھی اس متبرک شہر سے چھبیس میل کے فاصلہ پر چنار کا محاصرہ کیا پڑا تھا۔

باہر فوراً آگے بڑھا۔ محمود لودھی کو چنار کا محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کیا۔

شیر خان کو بھی بنارس خالی کر کے گنگا پار چلا جانا پڑا۔ باہر نے کرنا ساندی غوب کر کے گنگا اور کبسر کے سنگم پر چونسہ مین پڑاؤ ڈالا۔ پھر دہان سے کچ کر کے خفیم کو آرتھک بھگا لیا۔ یہاں پونچھک بہار کی بادشاہت لی۔ یہیں خیر معلوم ہوئی کہ اپنے تھوڑے سے ہمراہیوں کے ساتھ محمود لودھی نے بادشاہ بنگال کے پاس پناہ لی ہے۔

نصرت شاہ بادشاہ بنگال کو محمود لودھی کی شہجی بیابانی تھی۔ اُس نے باہر کے ساتھ ایک طرح کا معاہدہ سا کر لیا تھا کہ کوئی بادشاہ دوسری سلطنت پر حملہ نہ کرے۔ مگر باوجود اس معاہدہ کے اُس نے سارن یا چمپا کے صوبہ پر تصرف کر لیا اور اپنی فوج فیکر گنگا اور گھاگرا کے اتصال پر ایسے اچھے موقع سے جمع کیا کہ حملہ روکنے کے لیے بڑی مضبوطی ہو گئی۔ باہر نے بھی ٹھان لی کہ بنگال کی فوج کو اس جگہ سے ہٹا کر رہو نہ چکا۔ اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس علاقے

حصول کی یہی ایک تدبیر ہے کہ جب سے کام لیا جائے۔ اُس نے اپنی فوج کو چھ حصوں میں ترتیب دیا۔ چار حصے اپنے بیٹے عسکری کو جو گنگا کے بائیں کنارہ پر تھا دیے کہ گھاگرا اتر کر غنیم پر چڑھائی کرے اور اُنکو وہاں سے نکال کر گھاگرا کے اوپر کپڑا اُنکا تعاقب کرے۔ دو حصے خود اپنے ساتھ لیے کہ پہلے گنگا اتریں پھر گھاگرا اتر کر غنیم کی فوج پر حملہ کریں اور اُسے اپنی جگہ سے اُٹھا دیں۔ یہ دو طرفہ چڑھائی ہے۔ مئی کو ہوئی اور اُس میں پوری کامیابی ہوئی۔ جنگ کی فوج کو خاطر خواہ شکست دی اور یہ فتح ہر لحاظ سے پورا فیصلہ کر دینے والی ہوئی۔ بالآخر بنگال سے ان شرائط پر صلح کر لی کہ وہ صوبہ جوب مغربی بہا کے نام سے مشہور ہے باہر کو دیدیا جائے اور دونوں میں سے کوئی بادشاہ ایک دوسرے کے دشمن کو مدد نہ دے اور ایک دوسرے کی عملداری میں دست اندازی نہ کرے۔

یہاں تک میری رہنمائی زیادہ تر اسی نامور کے لکھے ہوئے تذکرہ سے ہوئی ہے جس کے مختصر کارنامے میں نے یہاں صریح کیے ہیں۔ اب تھوڑا سا بیان اور باقی ہے۔ بہار کی لڑائی اور فتح پوری سے واپس آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد باہر کی تندرستی خراب ہوئی شروع ہوئی۔ یہ حالت چھپ تو

کتنی ہی نہ تھی۔ اُسکے فرزند اکبر بجا یوں کہ جو اس زمانہ میں بدخشان کا حاکم تھا اس
 حال کی خبر پہنچی۔ شہزادہ نے وہاں کی حکومت اپنے بھائی ہندال کے
 سپرد کی اور بجلت تمام اگرہ روانہ ہوا۔ شروع سن ۱۵۳۵ء میں پہونچا بہت
 آو بھگت ہوئی۔ اور اُسنے اپنی ظرافت طبع اور شریفانہ برتاؤ سے بہت سے
 دوست بنالیے۔ چھہ ہی مہینہ بیان رہا تھا کہ سخت علیل ہو گیا۔ جب علت
 پڑھی اور شہزادہ کی جان کے لالے پڑے تو ایک امرایا وقوع میں آیا کہ اُس سے
 بخوبی تمام بابر کی بے ریا شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ تو زک بابر کی کتہہ کے
 باب میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

جب دوا سے شفا ہونے کی سب امیدوں کا خاتمہ ہو گیا کچھ کامل فن
 طبیب شہنشاہ سے شہزادہ کی رومی حالت کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوالبقا
 نامے ایک شخص نے کہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت وقعت کی نگاہوں
 سے دیکھا جاتا تھا بابر سے کہا کہ ایسی حالت میں بعض اوقات خدا سے
 ذوالجلال یہ منظور فرمالیتا ہے کہ جو قیمتی چیز کسی دوست کو سب سے زیادہ

۴۔ باب ترجموں کا ایزاد کیا ہوا ہے۔ یہی واقعہ ارسلین صاحب نے بھی اپنی کتاب بابر

ایندہ پاریون میں لکھا ہے۔

عزیز ہوئے دوسرے دست کی جان کی عوض فدیہ دے۔ باہر نے کہا میری جان ہمایون کو سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے اور ہمایون کی جان مجھ کو عزیز ہے۔ لہذا میں بہت خوشی سے اپنی جان اپنے بیٹے کی جان پر قربان کرتا ہوں۔ اور خدا سے دعا مانگی کہ اے سب سے بڑا میری اس قربانی کو قبول فرما۔ اہل دربار بہت کچھ سمجھاتے رہے مگر نہ مانا۔ کہا جاتا ہے کہ بابر اس ارادہ پر ثابت قدم رہا اور تین دفعہ مرنے والے شہزادہ کے گرد طواف کیا اور جس سنجیدگی سے مسلمان قربانی ادا کرتے ہیں اسی طرح یہ رسم پوری کر کے لاک ہٹا اور صدق دل سے دعا مانگی۔ تھوڑی دیر بعد سنا کہ بابر گھر پہنچے ہیں۔ نے لے لی۔ میں نے لے لی۔ مسلمان مورخ لکھتے ہیں کہ قریب قریب اسی لمحہ سے ہمایون اچھا ہونے لگا اور بابر کی طاقت اسی لمحہ سے گھٹتی گئی۔ ۳۷۷ء کے آخر تک زندہ رہا۔ ۲۶۔ دسمبر کو اپنی عمر کے انچاسویں برس میں اگر وہ کے قریب چار بلغمین جان آفرین کو جان سپرد کی۔ اسکی مرنے وقت کی وصیت کے مطابق انکی کنش کابل پہنچائی گئی اور وہاں شہر کے قریب ایک پر فضا مقام پر دفن ہوئی۔

دیندے کے مشہور فاتحون میں بابر کا نام بہت اونچی جگہ پر چمکتا نظر آتا ہے۔

چھٹا باب

ہمایون - اور اکبر کے ایام طفولیت

دیکر خوش مزاج ظریف طبع دل بہلانے والا ساتھی اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ
 قیاض اور رحم دل ہمایون اس کام کے لیے کہ سلطنت کی بنیاد ایسے اصولوں
 پر جانے کہ اُسکو قیام ہو اپنے باپ سے بھی بڑھ کر قابل تھا۔ اُسکی بیشمار خوبیوں
 کے ساتھ بہت سے خوبیوں کے متادینے والے عیوب بھی تھے۔ وہ تسکون
 طبع نیک سراور غیر مستقل تھا۔ او اے فرض کا خیال اس کے دل میں راسخ نہ تھا
 اُسکی فیاضی اسراف کے درجہ کو پہنچ جاتی تھی اور شفقت کمزوری کی حد تک
 بڑھ جاتی تھی۔ وہ اس قابل نہ تھا کہ کسی سنجیدگی کے کام میں اپنی توجہ بھروسہ
 سے عرصہ کے لیے بھی مصروف رکھ سکے۔ اور معنوی توانیں کے وضع
 کرنے کی نہ اُس میں قابلیت تھی نہ رغبت۔ غرض باپ نے جو سلطنت میراث
 میں چھوڑی تھی اس کے استحکام دینے کے لیے بیٹ بھر کر نا قابل تھا۔
 اُسکی تخت نشینی کے بعد جو آٹھ برس گزرے اُن کے سوانح تفصیل
 کے ساتھ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اُسکا انتظام ایسا اہل تجربہ اور

موجودہ میں اُسکے زیر حکومت تھیں اُنکے دلوں میں اُسنے وقعت و اعتبار اس قدر کم پیدا کیا تھا کہ جب اپریل ۱۵۵۷ء میں شیر خان سورنامی سردار (جسے بابر کی اطاعت کر لی تھی اور اب اُسکے اس بیٹے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا جسکی جگہ وہ شیر شاہ کے لقب سے بادشاہ ہوا) نے قنوج میں اُسے شکست دی تو ساری بنی بنائی عمارت اُسکے ہاتھوں مسمار ہو گئی۔ کچھ واقعات اور بھی پیش آئے اور جنوری ۱۵۵۷ء میں تو ہمایوں کو معدوم و بے چند ہونے کے ساتھ ملک سندھ میں انڈس کے کنارہ جزیرہ بھکر کے سامنے مقام روڑی میں پناہ یعنی پڑی جو میراث باپ سے ترکہ میں پائی تھی وہ سب گنوا بیٹھا۔

ہمایوں نے سب ملاکر ڈھائی برس سندھ میں بسر کیے اور ناحق اس کوشش میں لگا رہا کہ اسی ملک میں اپنے پائون جاملے۔ اُسکے یہاں رہنے کے زمانہ کا سب سے زیادہ قابل یادگار واقعہ یہ تھا کہ ۱۵۵۷ء اکتوبر ۱۵۵۷ء کو اُسکے ایک بیٹا پیدا ہوا جسکا نام اُسنے جلال الدین محمد اکبر رکھا۔ میں اُن وقت کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو تاریخ ہندوستان میں ایسا انقلاب عظیم پیدا کرنے کا باعث ہوئے۔

۱۵۷۱ء میں ہمایون کی فوج بھکر کا محاصرہ کیے ہوئے بڑی تھی ہمایون کو اپنے بھائی ہندال کی نسبت میں فتور معلوم ہوا۔ (ہندال کو اُس نے یہم سپرد کی تھی کہ سہوان کے زرخیز صوبہ پر یلغار کر کے قبضہ کر لے)۔ اور قصبہ پاترین جو دریائے انڈس سے بیس میل جانب مغرب واقع ہے اُس سے ملاقات ٹھہرائی۔ ہندال وہاں مع اپنے سرداروں کے موجود ملا اور پورے لوازم شاہانہ کے ساتھ مراسم استقبال سجالایا۔ اس تقریب میں جو خوشیاں ہوئیں تو ہندال کی مان نے جو ہمایون کی سوتیلی ماں تھی ایک بہت بڑا جلسہ دیا اور اُس میں امر کی سب بیگمات کی دعوت کی۔ انہیں ہمایون کی ایک لڑکی حمیدہ کو جو اس سردار کی بیٹی تھی جو ہندال کا استاد رہا تھا خاص التفات کی نظر سے دیکھا۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہیں پوچھا کہ اس لڑکی کی نسبت تو کہیں نہیں جانتی جواب ملا کہ بات چیت تو ہو گئی ہے مگر گمانی کی کوئی رسم ادا نہیں ہوئی ہمایون بولا کہ یہ صورت ہے تو میں اس سے شادی کرونگا ہندال کو یہ تھیلی پر سرسوں جمانا پسند آیا اور دھکی دی کہ اگر اس میں کہ کیجیے گا تو میں آپ کی خدمت سے الگ ہو جاؤنگا۔ دونوں ہمایون میں ایسا جھگڑا پڑا کہ افتراق ہی ہو گیا تھا مگر ہندال کی مان کو یہ تعلق پسند تھا اُس نے زور لگایا اور ہندال کو ٹھنڈا کیا۔ اور

وہ سرے دن حمیدہ جس نے ابھی اپنی عمر کا چودھواں سال پورا کیا تھا ہمایون کی بیوی بن گئی۔ کچھ دنوں بعد یہ دل شاد میان بیوی اسی لشکر میں آگئے جو ہکمر کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

مگر زمانہ ہمایون کی تدبیروں کے موافق نہ تھا۔ سب منصوبے بکڑتے گئے۔ آخر ۱۵۵۷ء کے موسم بہار میں اپنی کم سن بیوی کو لیکر مارواڑ کے ریگستانی بیابان میں پناہ لینے کو بھاگنا پڑا۔ اگست کے مہینہ میں جلیپور پہونچے۔ وہاں کے راجہ نے ٹھہرنے نہ دیا تو برا ریگستان طے کرنا پڑا۔ سفر میں پانی کی قلت نے دم پر بادی بہت دلیری سے مصیبتیں جھیلنے ہوئے۔ ۲۲ اگست کو ریگستان کے کنارہ امرکوٹ کے قلعہ پر پہونچے۔ قلعہ مذکور شرط ممانداری بجالایا اور وہیں ۱۵ اکتوبر کو حمیدہ بیگم کے بطن سے اکبر تولد ہوا۔ ہمایون چار دن پہلے ہی سے امرکوٹ سے صوبہ جون پریغار کرنے گیا ہوا تھا جب یہ خبر اسے پہونچی اس وقت کی باتیں لکھنے کے قابل ہیں۔ اسکا ایک ساتھی لکھتا ہے کہ ”جیسے ہی بادشاہ خدا کا شکر کر کے غلغ ہوئے امراپیش ہوئے اور مبارکبادیں گزریں۔ بادشاہ نے جوہر (مورخ) کو مصنف تذکرۃ الواقعات کو یاد فرمایا اور پوچھا کہ ہم نے تمہارے پاس کیا امانت

کرنی سواری لیتے مع الخیر ایران کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ لکے جاتے ہی
 عسکری مرزا پہونچا۔ بجائی کے نکل جانے سے جو نالوسی ہوئی اُسے شیرین
 کلبامی سے چھپایا اور معصوم شہزادہ کی ولداری کی اور قندھار پہونچا دیا کہ وہاں کا
 حاکم تھا۔ اور اپنی بیوی کے سپرد کیا اور جو اسکی دایمان یقین اُن کو بدستور
 رہنے دیا۔

۱۲۴۷ء میں پورے سال بحریہ خُرد سال شہزادہ اس حفاظت
 کی حراست میں رہا۔ مگر دوسرا سال شروع ہوتے ہی اسکی حالت میں انقلاب
 آیا اُسکے باپ کو شاہ ظہا سپ نے کچھ فوج دے دی تھی اسکی مدد سے
 اُسے مغربی افغانستان پر چڑھائی کی اور گیستان کے بیچ میں ہو کر سیدہ قاندھا
 آیا۔ اس حرکت سے کامران گھبرایا اور اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو جاوے
 اپنے بیٹے کو نکال لیجائے اُسے تاکید کی حکم بھیجا کہ لڑکے کو کابل پہونچا دو جب
 وہ رازدارانہ خبر جنگی معرفت کامران نے یہ پیغام بھیجا قاندھا رہو بچے تو
 عسکری مرزا کے مشیروں نے جلسہ مشورت منعقد کیا تاکہ اس امر پر غور کریں
 کہ اسکی نقیل کی جائے یا نہیں۔ بعض نے یہ سمجھ کر کہ ہایون کا ستارہ اب اوج
 اقبال پر آیا ہے یہ صلاح دی کہ لڑکے کو اعزاز کے ساتھ باپ کے پاس پہونچا دیا جائے

مستعد ملازم کچ قتلان نامے کے سپرد کر دیا۔

مگر اس زمانہ میں واقعات پر واقعات ہوتے چلے جاتے تھے۔ ہمایون نے قندھار میں جبر مضبوط کر لی تو فوج لیکر کابل روانہ ہوا اور ماہ نومبر کے پہلے ہی ہفتہ میں شہر مذکور کے سامنے آگیا اور پندرھویں تاریخ کو دہان کے لوگوں کے ہتھیار رکھوا لیے۔ کامران تو غزنین بھاگ گیا مگر اب کو اتنی مدت کے بچھڑے ہوئے بیٹے کو گلے سے لگانے کی خوشی ضرور نصیب ہوئی۔ لڑکے کی مان جمیدہ بیگم تو سال آئندہ کے موسم بہار تک نہ پہنچ سکی۔ مگر کچ قتلان نکال دیا گیا اور شہزادہ کا پرانا اٹالیت اکملہ خان اپنی جگہ پر بحال ہو گیا۔

کچ عرصہ تک تو یہ لڑکا بہت شان و شوکت سے رہا۔ مگر جاڑ آیا تو چونکہ ہمایون نے اس عرصہ میں صوبہ بدخشان لے لیا تھا یہ رے قرار پائی کہ موسم زمستان کی سختی کے مہینے اس صوبہ کے قلعہ ظفر میں بسر کیے جائیں۔ وہاں کے راستہ میں ہمایون ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لالے پڑ گئے۔ دو مہینہ صاحب فراش رہنے کے بعد اچھا ہوا۔ مگر اسی عرصہ میں بہت سے سرد

x اس وقت میں امیر محمد غزنوی تائب شاہ میں شیر شاہ سے جولائی مفتح میں

ہوئی تھی اس میں کئے ہمایون کی جان بچائی تھی۔

یہ سمجھ کر کہ اب اسکا وقت آگیا ہے اسکے بھائیوں کے پاس چلے گئے تھے اور کامران نے اپنے خسر کی فوج سے مدد لیکر کابل پر اور کابل کے ساتھ اکبر پر قبضہ کر لیا تھا۔ پہلا کام جو اس فاتح کابل نے کیا وہ یہ تھا کہ آغا خان کو نکال کر اپنا ایک خاص ملازم شہزادہ کے واسطے مقرر کر دیا۔

مگر طاقت کا آنا تھا کہ ہمایوں نے فوراً اپنا دارالسلطنت لینے کے لیے پھر چڑھائی کی۔ کامران کی بہترین فوج کے ایک دستہ کو سواد شہر میں شکست دیتا ہوا آگے بڑھا اور کوہ کعبین پر جہان سے شہر بالکل سامنے پڑتا ہے ڈیرے ڈال دیے اور شہر پر گولے برسائے لگا۔ کچھ دن بعد گولہ باری ہوئی سخت ہو گئی اور ایسا نقصان پہونچا کہ اسکے بند کرنے کی غرض سے کامران نے بھائی کو کھلا بھیجا کہ اگر گولہ باری بند نہ ہوگی تو میں خرد سال اکبر کو دیوار کے اوپر عین زد کے مقام پر بٹھا ڈونگا۔ ہمایوں نے گولہ باری بند کر دینے کا

یہ فیصلہ کرنے کے نامہ میں لکھا ہے کہ شہزادہ واقعہ بٹھا دیا گیا تھا اور حذر مرزا ملازم انوار دستا

حکم دیدیا مگر محاصرہ بدستور جاری رکھا اور ۲۰ اپریل ۱۵۵۷ء کو فتح بکر شہر میں داخل ہوا۔ کامران رات ہی کو بھاگ گیا تھا۔

کامران بدخشان کو بھاگا تھا وہاں بھی ہمایون نے اُسکا پیچھا کیا۔ مگر جاڑ کا موسم آیا تو اُسکے بعض بڑے بڑے سردار باغی ہو گئے اور اُسے چھوڑ کر کامران سے جا ملے۔ ہمایون کبھی آگے بڑھ گیا کبھی پھر مراجعت کی۔ آخر ۱۵۵۷ء کے موسم گرما میں یہ طے کر لیا کہ ایک دفعہ پوری کوشش کر کے اپنی شمالی سلطنت پر تسلط کر لینا چاہیے۔ جون کے مہینہ میں اکبر اور اکبر کی ماں کو ساتھ لیکر کابل سے روانہ ہوا۔ گلپھن پہونچکر اکبر اور اُسکی ماں کو کابل واپس بھیج دیا اور خود ماکان پر چڑھائی کی اور کامران کو ہتھیار رکھ دینے پر مجبور کر دیا۔ اپنی شمالی سلطنت پر تسلط ٹھکانے کے بعد ہمایون بادشاہ (کہ اب وہ اسی لقب سے مشہور تھا) کابل کو واپس آیا۔

۱۵۵۹ء کے موسم بہار کے آخر میں پھر کابل چھوڑا اور مغربی کنڈر کے ملک میں بلخ لینے کی طیاری کی۔ مگر انوکھوں نے سپا کر دیا تو ۱۵۵۹ء کے جانے بھر کے لیے پھر کابل آ رہا۔ پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کامران بکا ہمایون کے ساتھ بلخ کی مہم میں شریک نہ ہونا اصل میں اس ہزیمت کا

باعث ہوا تھا اور جو بعد میں کھلم کھلا باغی ہو گیا تھا ہمایون کی شکست کے بعد
 وجہ کے کنارہ برے زور شور سے لڑا اور ہمایون کے پاس اطاعت کا پیام
 بھیجا۔ ہمایون نے اکبر کو کہ اس وقت آٹھ برس کا بچہ تھا کابل کی سلطنت سپرد
 کی اور محمد قاسم خان میرٹھاس کو اُسکا اتالیق مقرر کیا اور خود اپنے بھائی کی گرفتاری
 کو دارالسلطنت سے روانہ ہوا۔ مگر ایسا غافل چلا کہ کامران اُسکی چالوں کو
 سمجھ گیا اور تنگنائے کب چک کے سرے پر یکایک بغیر آن پڑا اور اُسے
 مجبوراً بھاگ کر پناہ لینے پڑی۔ اس طرح بھاگنے میں ہمایون بری طرح زخمی
 ہوا تھا مگر خیر درہ سرطان کے سرے تک مع الخیر پہنچ گیا۔ یہاں بہ نسبت
 وہاں کے محفوظ تھا۔ اس عرصہ میں کامران نے کابل پر چڑھائی کی اور تسخیر
 کر لیا اور اکبر تیسری دفعہ پھر اپنے چچا کا قیدی بنا۔ ہمایون اس نقصان پر کان
 دبا کر چپکناہنیں ہو رہا اپنے جان نثاروں کے دل بڑھا کر پھر چاڑھے کیے
 اور شہر پر چڑھائی کی۔ شترگردان پہونچکر دیکھا کہ کامران کی فوج مقابلہ کے لیے
 طیار کھڑی ہے۔ کچھ دن بیکار صلح کے پیام ہونے کے بعد ہمایون نے
 حملہ کا حکم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایون کو پوری فتح ہوئی۔ کامران بھاگ گیا۔ کچھ دیر
 تو ہمایون کو یہ اندیشہ رہا کہ مبادا کامران بھاگتے وقت اُسکے بیٹے کو بھی لیتا

گیا ہو۔ مگر شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اُسے یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کہ اکبر حسن ائمہ کے ساتھ کہ اب وہ اسی کی سپردگی میں تھا لشکر میں آن پہنچا۔ دوسرے دن ہمایون شہر میں داخل ہوا۔

اس دفعہ جو یہ فتح ہوئی وہ ناطق اور دیر پا تھی۔ ہمایون نے جو انعام اور صلے تقسیم کیے تو اپنے بیٹے کو بھی فراموش نہ کیا۔ اکبر کو چچ کا ضلع جاگیر میں مرحمت کیا اور محمد خان سیستانی کو اسکا وزیر مقرر کیا اور اُسکی تعلیم بھی اسی کے سپرد کی۔ اگلے سال ہمایون کی دقتوں کے اسباب ایک ایک کر کے دور ہوتے گئے۔ البتہ اگست ۱۵۵۳ء میں کامران ایک مرتبہ کچھ فوج لیکر آیا تھا مگر ایسے زور شور سے کھدیرا گیا کہ ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گیا۔ مکہ کو جلا وطن کیا گیا اور چار برس بعد وہیں وفات پائی۔ دوسرا بھائی بنڈال مرزا اٹھارہ مہینہ پہلے ہی کامران کے تعاقب میں مارا جا چکا تھا۔ تیسرا بھائی عسکری مرزا جو فطرتی طور پر دغا باز واقع ہوا تھا ۱۵۵۴ء میں مکہ کو جلا وطن کیا گیا اور اگرچہ اب تک بقیہ حیات تھا مگر کچھ نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔ جب بھائیوں کا بکھیرا پاک ہو گیا تو ہمایون تسخیر کشمیر کی طرف متوجہ ہوا۔

اگر اسکے سردار اور لشکر ولے اس مہم کے ایسے مخالف تھے کہ مجبوراً اپنی مرضی کے خلاف اس سے باز رہنا پڑا۔ انڈس عبور کرنے پر قناعت کی۔ انڈس اور جھلم کے درمیانی ملک میں لشکر ڈلے پڑا ہوا تھا کہ حکم دیا کہ پشاور کے قلعہ کی مرمت کی جائے۔ یہ مرمت کا ہے کوئچی از سر نو پہلے سے بھی بڑا قلعہ تعمیر کرنا تھا۔ اس زمانہ میں بھی ہمایون کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال تھا اور وہ اس بات کا آرزو مند تھا کہ درون کے آگے ایک ماسن ایسا بنائے کہ وہاں سب فوج جمع ہو کر آسکے۔ اس نے کام ایسے زور شور سے جاری کرایا کہ اسی سال ۱۵۵۷ء کے آخر میں قلعہ بکر طیار ہو گیا۔ تب ہمایون کابل واپس آیا۔ اور جاڑے اور گندہ بہار کے موسم میں ہندوستان میں اس نازک وقت کا سامان جمع ہو گیا جس سے ہمایون کو اپنے منصوبے پورے کرنے کا موقع ملا۔

ساتواں باب

ہمایون کا ہندوستان پر حملہ کرنا۔ اور وفات پانا۔

شیرخان سورجس نے سن ۱۵۴۵ء میں ہمایون کو قنوج میں شکست دی تھی اب نئی فتح سے یوں متع ہوا تھا کہ بارہ نے جو ملک فتح کیے تھے ان پر قبضہ کر لیا اور ان میں کچھ اضافہ بھی کیا۔ وہ آدمی ضرور قابل تھا مگر اتفاقاً اور کیمکتی پر آکر سنے۔ کہ جو ہر سے وہ بھی اسی طرح بے بہرہ تھا جیسے کہ وہ شہزادہ (ہمایون) جسکی بیگم اسنے چھینی تھی۔ وہ بھی علیحدہ علیحدہ لشکر رکھنے کے اصول پر حکومت کرتا تھا اور ہر وہ اور ضلع کا انتظام الگ الگ تھا۔ سن ۱۵۵۵ء میں محاسرہ کا انجور میں ہوا تو قلعہ اسکے قوی ہاتھوں سے تسخیر ہوا اور اپنے زخموں سے وہ جان بحق تسلیم ہوا۔ اسکا دوسرا بیٹا سلیم شاہ سور (جو سلطان اسلام کے لقب سے بھی مشہور ہے) اسکی جگہ تخت نشین ہوا اور سات آٹھ برس تک سلطنت کر رہا۔ اسکو کچھ واقفیت نہ تھی ضرور ہوگی ہوگی کہ جو طریقہ انتظام مجھے درشاہ ہے وہ بہت کمزور ہے کیونکہ اسکے زمانہ سلطنت کا بڑا حصہ ان سازشوں کے

دفع کرنے میں شرف ہوا جو ان سرداروں میں قائم ہوئی تھیں جو ان کے مختلف
صوبجات پر اسکی طرف سے قابض تھے۔ اُسے جب وفات پائی تو ایک کم سن
بچہ اپنی جانشینی کو چھوڑا مگر سردار اُنھ کو کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ غوردسال شہزادہ
تو بڑے نام صرف تین دن بادشاہت کر کے قتل ہوا اور اُسکا مامون سلطان
محمد شاہ عادل کا لقب اختیار کر کے تخت کا مالک بن بیٹھا۔ یہ شخص جاہل اور
غلام تھا۔ اسی اصول کا پابند نہ تھا اور انتہا درجہ کا شہوت پرست تھا۔ مگر اپنی
خوش قسمتی سے اسنے اپنا وزیر ایک ہندو ہیومنہ کو کیا تھا کہ یہ اصل میں تو
صوبہ بیوات کے قصبہ ریوری کا ایک دوکاندار تھا مگر جو بہر قابل ایسا پایا تھا کہ
آخر کار سارا کاروبار سلطنت اپنے ماتحتوں میں لے لی تھا۔ مگر ہیمنہ کی قابلیت سے
بھی ان صوبوں کی بناوت نہ رکی بہر شاہ نے اپنے بیٹے کو میراث میں دیے
تھے۔ ابراہیم خان بیانہ میں بھی ہوا اور دہلی اگر لیکر اپنے تئیں سلطان مشہور
کیا۔ سنج کے شمال مغرب کے ملک کا حاکم احمد خان پنجاب دبا بیٹھا اور
سکندر شاہ کے لقب سے اپنے تئیں بادشاہ مشہور کیا۔ مشرقی صوبجات کے
دو دعویدار آپس میں جھگڑتے رہے اور شجاع خان نے مالود کی سلطنت
دہلی اسکے بعد جو لڑائیاں ہوئیں ان میں کچھ زمانہ تک سکندر شاہ غالب رہا۔

امیر تیم خان کو اگر وہ سے بین میل دور تمام فرح پشاست دی اور وہی پرچہ خانی کی
اور قبضہ کر لیا۔ وہ جو نپور اور بہار لینے کے لیے یافغا راجہ جانیکی طیساری کر ہی رہا تھا
کہ اس خطرہ کی خبر پائی جو کابل کی طرف سے آئیوا تھا۔

جو واقعات اس کے بعد ظہور میں آئے اُن کے نتائج البتہ بڑے بُرے
ہوئے۔ نومبر ۱۵۶۷ء میں ہمایون ایک مختصر سی فوج لیکر کابل سے انڈس
کی طرف روانہ ہوا مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا گیا فوج کی تعداد بھی زیادہ
ہوتی گئی۔ اکبر بھی ساتھ تھا۔ ۲ جنوری ۱۵۶۸ء کو دریائے انڈس عبور
کر کے ہمایون راولپنڈی آیا اور وہاں سے دریائے راوی کے آگے کی طرف
کالا نور پہونچا۔ یہاں پہونچکر فوج کی تقسیم کی۔ اپنے سب سے بہتر سپہ سالار
بیرم خان کو جالندھر میں بھیجا اور خود لاہور پر چڑھائی کی اور وہاں سے اپنے
خاص دوست ابو المعالی کو دیپال پور لینے کے لیے روانہ کیا کہ یہ تمام
زمانہ میں بڑے موقع کی جگہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ ملتان اور ردار السلطت کے درمیان
کا جو ملک تھا وہ سب اسی کے ذیل میں پڑتا تھا۔

دار و اتون کا تار بندہ گیا۔ بیرم خان نے سکندر شاہ کے سپہ سالاروں

کو تہ تیغ کرنا سے مجھی دائرہ میں شکست دی اور سر مندر پر چڑھا چلا گیا۔ سکندر اس

ن اسکا کام تمام کر دینکا۔ بہت بڑی فوج لیکر بھجلی تمام اس
 رم سورجہ بند ہو بیٹھا اور ہمایون کو ملک کے واسطے لکھا۔
 فرد سال اکبر کو بھیجا اور کچھ دن بعد خود بھی روانہ ہوا۔ سکندر انکے
 پہلے ہی پہنچ گیا تھا مگر حملہ کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ اس
 نے اُسکو بچا۔ ہمایون نے پوچھنے کے ساتھ ہی چوہدری لڑائی ڈال دی
 پائی۔ سکندر شاہ سلسلہ کوہ سیوالک میں بھاگ گیا اور ہمایون اپنی
 کے ساتھ دہلی روانہ ہوا۔ ۲۳۔ جولائی کو وہاں قبضہ کر کے
 ج کا ریلکھنڈ کے تاراج کرنے کو بھیجا اور دوسرا دستہ آگرہ
 کو روانہ کیا۔ ابوالمعالی کو تخیل پنجاب کے لیے پہلے ہی سے
 ل۔

ہمایون کی مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ محمد شاہ عادل کے
 پہ سال راہیمونی تخت بنگال کے چھوٹے وعودار کو جو مالک
 چلہ آور ہوا تھا جسکا راہ کا پی کے قریب شکستہ ہی تھی اور اب
 وہلی پر چڑھائی کرنے کی طیاری کر رہا تھا۔ سکندر شاہ نے سرسبز
 فی تھی مگر اب پنجاب میں وہ بھی پرہیزے نکالنے لگا تھا۔ ان

محببتوں کا مقابلہ کرنے کو ہمایون نے اپنا قیام تو دہلی ہی میں رکھا اور پنجاب کے معاملات کو ذرا براہ کرنے کے لیے اکبر کو مع اسکے تالیق بیرم کے روانہ کیا۔ ہم پہلے اکبر کا حال لکھینگے۔ یہ شہزادہ شروع جنوری ۱۵۷۵ء میں

سرمنہ پہنچا۔ بیان اس سے وہ بہت سے سرداران ملے جو اسکے باب کے عزیز و دست اہل المعالی کے تکبر کی وجہ سے بیزار ہو گئے تھے اور انکو لیکر آسنے مقام پیلور پر دریائے ستلج عبور کیا اور ضلع کانگڑہ میں مقام سلطان پور کی طرف بڑھا۔ اور وہاں سے ہربا رنگ سکندر شاہ کے تعاقب میں گیا۔ وہاں پہونچکر دوسرے ہی دن صبح کے وقت خبر آئی کہ ہمایون پر ایک حادثہ ہاجحہ گزرا ہے آگے کا کوچ ملتوی کیا اور کالافور کی طرف روانہ ہوا کہ جب تک کچھ اور خبر نہ آئے وہیں قیام رہے۔ اس مقام کے قریب ہی پہونچا تھا کہ ہمایون کا لکھایا ہوا ایک خریطہ ملا کہ جلد صحت ہو جانے کی امید ہے۔ مگر معوڑی ہی دیر میں ایک ہرکارہ اور آیا اور یہ خبر لایا کہ بادشاہ سلامت نے انتقال فرمایا۔ اکبر فوراً بادشاہ بنا دیا گیا۔

یہ وقت ایک ایسے روز کے لیے بہت نازک تھا جسے دنیا میں آنے

صرف تیرہ برس چار مہینے ہوئے تھے۔ البتہ وہ پنجاب پر مسلط تھا۔ سرمنہ

آٹھواں باب

اکبر کا اپنے باپ کے تخت کے واسطے لڑنا

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اکبر جس وقت اپنی فوج لیکر قصبہ کالا نور میں داخل ہو رہا تھا اسی وقت باپ کے وفات کی خبر ملی تھی اُس وقت کابل کی بغاوت کی کچھ خبر نہ تھی۔ نہ اکبر کے امایق بیرم خان نے دل میں یہ خیال کیا تھا کہ بیہوش و بی پرچہ مافی کرنے والا ہے۔ غرض کہ پہلے چند روز تک تو یہی معلوم ہوا کہ جس ایک ہی حریف سے مقابلہ کرنا ہے۔ اور وہ حریف کون۔ وہی سکند شاہ جسکی سرکوبی کو باپ نے اُسے پنجاب بھیجا تھا۔ یہ سکند شاہ ہنوز ستعہ پنجاب تھا اور بہت آہستگی کے ساتھ کشمیر کی طرف کو ہٹتا جاتا تھا۔ اسلئے اس خرم دال بادشاہ اور اُسکے امایق نے یہ سمجھا کہ پہلا کام یہی کرنا چاہیے کہ پنجاب پر تسلط بنھالیا جائے اور یہ کام اسی طرح بن پڑیکا کہ سکند شاہ کا تعاقب کیے جائیں۔ چنانچہ کالا نور سے فوج چلی اور سکند کو سبکداری ہوئی مگر بڑی اور بیادشاہ کا تعاقب کیا کہ وہ کوہ سیوالک کے سلسلہ میں مان کوٹ کے قلعہ میں جا کر پناہ لے لیا۔

ہوا چونکہ مان کوٹ کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور ہندوستان اور کابل دونوں جگہ
سے ناموافق خبریں پہنچ چکی تھیں سرداروں نے اسی پر قناعت کی کہ کچھ فوج
قلمیہ کا محاصرہ رکھنے کے لیے چھوڑ دی اور جالندھر کو مراجعت کی۔

یہ وقت واقعی بہت نازک تھا۔ صرف کابل ہی میں بغاوت نہیں ہوئی
تھی بلکہ ہیمنے بھی جسکی فوج ہر قدم پر بڑھتی ہی جاتی تھی انیسویں بھڑے آگرہ
لے لیا اور وہاں کے قلعہ کی بھاگتی ہوئی فوج کا پیچھا کرتا ہوا دہلی کی طرف
بڑھا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ ہیمنے دہلی کے پاس مغلوں کی فوج کو
شکست دی اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ ترو دی بیگ بھی کچھ فوج کو لیکر ہند
کی طرف بھاگ گیا۔

یہ ضروری بات نہیں ہے کہ جہاں بہت سے صلاح کار جمع ہوں وہاں
ہمیشہ عقلندی ہی سے کام ہوتے ہوں۔ جب اکبر نے ہیمنے کی کامیابی کا حال
سنا تو اپنے جنگ آزما سرداروں کو جمع کر کے صلاح پوچھی۔ سولے ایک
شخص کے سب ہی نے تو یہ رائے دی کہ کابل لوٹ چلنا چاہیے۔ یہ توفیقی
بات ہے کہ آپ کو اپنا بہاری دارالسلطنت پھر لمبایہ کا۔ پس جب تک ایسی
صورت نہ ملے کہ ہندوستان پر سے سب سے حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آئے

وہیں جئے بمبھے رہیں۔ بیرم خان نے بڑے شد و مد سے اس رائے کی مخالفت کی۔ اُس نے اسپر اصرار کیا کہ فوراً تلج عبور کر کے سرہند میں تزدی بیگ سے چکر ل جاؤ اور پھر وہاں سے فی الفور ہیمو کے مقابلہ میں بڑھو۔ اُس نے کہا کہ دہلی دو دفعہ لی ہے اور دہری دفعہ کھوئی ہے اب تو چاہیے جو کچھ جو کھوں اٹھانی پڑے اُسے پھر جیت کر رہنا ہے۔ دہلی سے قسمت کا فیصلہ ہوگا کابل سے نہوگا۔ دہلی کا مالک ہوئے پیچھے کابل کا لے لینا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ اکبر کی بھی رائے اپنے اتالیق کی صلاح کے موافق ہوئی اور فی الفور تلج عبور کرنے کا حکم ہو گیا۔

واقعی اکبر اور بیرم نے یہ دیکھا کہ ہندوستان کی سلطنت اور کابل کی مختصر بادشاہت ان دونوں میں سے ایک ہی انتخاب کرنی ہے کیونکہ ہندوستان میں جو اس خاندان کے طرفدار تھے اُن سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہیمو طیاری کر رہا ہے کہ دہلی پر جو قبضہ کر لیا ہے تو اب پنجاب بھی فتح کرے۔ اس وجہ سے کامیاب رہنے کے لیے یہ بیک ضروری تھا کہ اس سے پہلے ہی بیان پہنچ جائیں اور بجائے اسکے کہ اُسے چڑھ آنے دین خود اسپر چڑھ کر جائیں کہ ایشانی لوگوں کی نظروں میں یہ بہت بڑی بات شمار کی جاتی ہے۔ اکبر ماہ اکتوبر میں جالندھر

سے روانہ ہوا اور ستلج عبور کر کے سرہند پہنچا۔ وہاں ترڈی بیگ اور وہ سردار مل گئے جنھوں نے دہلی کی شہرِ پناہ کے بچے بیہوشے شکست کھائی تھی۔ یہاں پہونچ کر جو واقعات پیش آئے اُن سے اکبر کے دل میں پہلایج اُس ناپسندیدگی کا بویا گیا جو اُسکو اپنے امالیق کے اختیارات کے بجا کام میں لانے سے پیدا ہوئی تھی۔ ترڈی بیگ ایک ترکی سطرار تھا۔ جب ہمایون مرا تو یہ ترڈی بیگ ہی شخص تھا کہ ایسی عقلندی اور وقاداری سے کام لیا کہ بغیر غریزی کے اکبر تخت نشین ہو گیا حالانکہ کامران کا ایک بیٹا اس وقت دہلی ہی میں موجود تھا۔ یہ سچ ہے کہ بعض افسرداران کی یہ رائے تھی کہ بیہوشے شکست کھانے کے بعد ترڈی بیگ نے دہلی بہت جلد خالی کر دی۔ مگر فنِ جنگ کی غلطی کوئی جرم تو نہیں ہے۔ اور پھر کم از کم اُس نے یہ تو کیا کہ اکبر کو سرہند میں ایک بہت طاقتور فوج مدد کے لیے بھیجی۔ مگر ترڈی بیگ اور بیرم خان ہمیشہ سے ایک دوسرے کے حاسد تھے۔ مذہبی اختلاف کی وجہ سے بیرم کے دل میں اس حسد کو اور بھی ترقی ہوئی کیونکہ بیرم مذہبِ اسلام کے شیعہ فرقہ کا پیرو تھا اور ترڈی بیگ سنی تھا جب ترڈی بیگ سرہند پہونچا تو بیرم نے اُسکو

اپنے خیمہ میں طلب کیا اور قتل کر ڈالا۔ اکبر اس ظالمانہ برتاؤ سے سخت ناراض ہوا اور بیرم اپنی صفائی کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ یہ سمجھ لیا چاہیے کہ بیرم نے یہی عذر کیا ہو گا کہ انتظام اسی کا مقتضی تھا کہ سرداروں کو پورے طور سے مطیع کر لینے کے واسطے یہ کام انجام پا جائے۔

اس عرصہ میں ہیمو دلی ہی رہا اور راجہ کا نیا خطاب اختیار کر کے اپنا دل خوش کرتا رہا اور فوج بھی جمع کیے گیا۔ جب اُسے سنا کہ اکبر سرہند آن پہونچا تو اپنا قویچاند دلی سے تربین میل جانب شمال پانی پت کو اس ارادہ سے روانہ کیا کہ اسکے پیچھے پیدل اور سوار لیکر من خود جاؤنگا۔ ادھر اکبر سرہند سے اسی مقام کی جانب بڑھا تھا۔ اسکے علاوہ یہ اور ہوشیاری کی تھی کہ علی قلی خان شیبانی کو دس ہزار سوار دے کر لگے بھیج دیا تھا۔ یہ وہی سپہ سالار تھا جو

x ڈوسن صاحب کی کتاب سرہنری ایلیٹس ہٹری آف انڈیا میں ٹولہ بای اسٹن اور ہٹنیں جلد پنجم صفحہ ۲۵۱ ملاحظہ طلب صرف ایک مورخ جو یہ لکھتا ہے کہ اکبر نے ایک طرح کی اجازت اس فعل قبیح کی دیدی تھی وہ براہونی ہے۔ ابو الفضل اور فرشتہ نے واقعی اسکی تردید کی ہے۔ بلاکین صاحب نے جو آئین اکبری کا قابل قدائدیشن شایع کیا ہے اسکے صفحہ ۳۱۵ میں یہ مقدمہ بطرح جوچ ہے مطبعہ براہونی نے لکھا ہے۔ مگر ترجمہ نے یہ عبارت اضافہ کی ہے کہ ”اکبر ناراض ہوا۔ بیرم کا تعیل جلا کر کھانے میں ملا دیا۔“ اس بے اعتباری کا محتاج چغتائی سرداروں کو اسکی جانب سے ہو گئی تھی۔“

تردی بیگ کے ساتھ ہیہو سے دلی میں لڑا تھا اور جس نے تردی بیگ کے بہت جلدی بھاگ آنے پر نفرین کی تھی۔ علی قلی گھوڑے پر سوار پانی پت تک آیا اور ہیہو کی فوج کی توپوں کو جو غیر محفوظ حالت میں پایا تو فوراً جھپٹ پڑا اور سب کی سب چھین لیں۔ اس جانبازی کی بدولت خان زمان کا خطاب پایا کہ آگے چل کر تاریخ میں اسکا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ اس نقصان سے ہیہو کا بالکل دل ٹوٹ گیا کیونکہ یہ لکھا ہے کہ یہ توپیں روم سے ملی تھیں اور بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مگر پھر بھی اُسے زیادہ دیر نہ لگائی اور فوراً پانی پت کی طرف بڑھا۔

۵۔ نومبر ۱۵۵۶ء کو صبح کے وقت اکبر اور بیرم میدان پانی پت کی طرف چڑھے چلے جا رہے تھے کہ ہیہو کی فوج اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ مین تو سمجھتا ہوں کہ اس خرد سال بادشاہ کے دل میں یہ خیال اُس وقت ضرور گزرا ہو گا کہ پورے تیس برس پہلے اُسکے دادا ابا نے اسی میدان میں لودھی خاندان کو شکست دیکر ہندوستان کی سلطنت حاصل کی تھی۔ اب اس خاصہ کی فوج سے اُسے مقابلہ کرنا تھا جو شاہی کے تعلق سے اُس خاندان سے وابستہ ہو گیا تھا جس نے اُسکے باپ کو بہان سے نکالا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس صدی بھر میں جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں یہی فیصلہ کن نوالی لڑائی ہوگی۔ مگر باوجود پیش بین ہونے کے وہ یہ نہ سمجھتا ہوگا کہ اسی لڑائی سے ہندوستان میں اس خاندان کی بنیاد پڑیگی جو دوسو برس سے اوپر ہی اویس قاعظم رہیگا اور پھر اُسکے خاک میں ملانے کے لیے بھی شمال ہی سے حملہ ہوگا اور پانی پت ہی میں ایک اور جنگ برپا ہوگی۔ اور پھر ایک غیر ملک کی اجنبی قوم اطلالِ نطک کے ایک جزیرہ سے نکل کر سب کو مٹا دے گی۔

ہیمو نے اپنی فوج کے تین حصے کیے تھے۔ آگے پانسو ہاتھی تھے جنہیں سے ہر ایک پر ایک ایک اعلیٰ درجہ کا افسر سوار تھا اور سب کے آگے خود ہیمو اپنے عزیز ہاتھی پر سوار تھا۔ پہلے تو وہ مغلوں کے بائیں بازو پر ٹوٹا کہ وہ آگے کو بڑھتا آتا تھا اور اُسکو بالکل منتشر کر دیا۔ مگر چونکہ اسکی بدیل فوج کے سردار اس حملہ میں مدد نہ دے سکے اس لیے پیچھے ہٹ کر قلب کی طرف بڑھا کہ وہاں پریم بذاتِ خاص تعینات تھا۔ اس بیدار مغر سپہ سالار نے پہلے ہی سے اس حملہ کا انداز سمجھ کر اپنے تیر اندازوں کو حکم دیدیا تھا کہ سواروں کے منہ پر تیر بربسانے شروع کرو۔ ایک تیر ہیمو کی آنکھ میں لگا۔ وہ اپنے ہونج میں مگر اور ذرا اسی دیر کو بیہوش ہو گیا۔ سردار کا گرنا تھا کہ فوج میں اتاری

پھیل گئی۔ حملے سے مست ہونے لگے تھے کہ موقوف ہی ہو گئے۔ بیرم کے سپاہیوں نے فوراً ہی تو اس موقوفی کو شکست بنا دیا۔ جس باہمی پر تیمور سوار تھا اُسے فیلبان کے مارے جانے پر جنگ کا رخ کیا۔ ایک سردار شاہ قلی محرم بہار کو نے جو بیرم کا ساتھی اور دور کا رشتہ دار تھا اس باہمی کا تعاقب کیا مگر وہ یہ نہ جانتا تھا کہ کون اسپر سوار ہے جب پاس پہونچ کر گردن کا رسہ پکڑا تو معلوم ہوا کہ یہ تو میں نے زخمی تہیہ کو قیدی بنایا ہے۔ پکڑ کر بیرم کے پاس پہونچایا۔ بیرم اسے نوجوان بادشاہ کے حضور میں لگیا، اکبر نے میدان میں شروع سے آخر تک پوری داد و شجاعت اور جانبازی کی دی تھی مگر جنگ کے متعلق احکام صادر کرنا اپنے امالین ہی پر چھوڑ رکھا تھا۔ اس وقت کے واقعہ کو اس زمانہ کے لکھنے والوں نے یوں لکھا ہے کہ بیرم نے زخمی سپہ سالار کو پیش کر کے اپنے آقا سے کہا ”یہ حضور کی پہلی لڑائی ہے اس کا فر پر اپنی تلوار کا دار کیجیے کہ یہ بڑی ناموری کا کام ہے“ اکبر نے جواب دیا ”وہ تو آپ ہی مر رہا ہے میں کیا ماروں۔ اگر ہوش میں ہو جا

x عام طور سے یہی روایت مشہور ہے مگر ابو الفضل لکھتا ہے کہ فیلبان نے اپنی جان بچانے

اپنے مالک سے بیوفائی کی۔ دیکھو ایٹ صاحب کی تاریخ جلد پنجم صفحہ ۲۵۳ کا ماحیہ۔

اور قوت رکھتا ہوتا تو البتہ میں تیغ آزمائی کرتا اور اس سے لڑتا۔ جب اکبر نے انکار کیا تو بیرم نے خود ہی اس قیدی کو قتل کر ڈالا۔

بیرم نے غنیم کے تعاقب میں اپنے سواروں کی فوج دہلی روانہ کی لاکھوں آدم نہ لینے دو۔ یہ مغلیہ فوج راستہ میں کہیں نہیں ٹھہری اور مارا مار ۵۳ میل کا جادو کر دوسرے ہی دن صبح کے وقت دہلی میں داخل ہو گئی۔ اسکے بعد اکبر کا کوئی خوفناک رقبہ ہندوستان میں باقی نہ رہ گیا۔ اسکی وہی حالت ہو گئی جو تیس برس پہلے اسکے دادا کو نصیب تھی۔ اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا کہ آیا یہ لڑکا بھی اُس موقع سے کام لیتا ہے یا نہیں جسے اسکے باپ اور دادا دونوں نے ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ اس غرض سے کہ جو کام اکبر کو کرنا تھا اسکی پوری کیفیت ناظرین پر آشکار ہو جائے میں باب آئندہ میں مختصر طور پر یہ دکھلاؤں گا کہ اسکی تخت نشینی کے وقت ہندوستان کی کیا حالت تھی اور اسکے آگے کا باب اس تحقیق میں صرف کر دینگا کہ کس طرح چار دہ سالہ لڑکے کو بیرم خان کی تالیقی سے استفادہ پہونچنے کا قرینہ تھا۔

نوان باب

ہندوستان کی عام حالت سوٹھویں صدی کے وسط میں

تلج کے جنوب میں جو ملک مغلون کے افغان متقدمین نے فتح کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ اُسے سلطنت ہندوستان کہنا زیب دیتا۔ بلکہ وہ دہلی کی سلطنت تھی۔ یعنی اُن ممالک کی سلطنت تھی جو شہنشاہِ ترک ممالک مغربی شاہی سمجھے جاتے تھے اور جنہیں وہ حصہ احاطہ بنگال کا جواب مغربی بہار کے نام سے موسوم ہے اور کچھ اضلاع ممالک متوسطہ اور راجپوتانہ کے شامل تھے۔ پنجاب بھی اسی میں شامل تھا۔ کچھ عرصہ کے لیے البتہ خاندان تغلق کو بنگال اور قریب قریب سارے جنوبی ہندوستان کی حکومت حاصل تھی مگر شمال کی جانب سے جو پہلا حملہ ہوا اسی سے ہندو راجاؤں نے موقع پا کر اطاعت کا سنخوس جو اپنے کندھوں سے اُتار کر رکھ دیا اور پھر اس کے رکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اڑیسہ کی بڑی سلطنت جو گنگا کے دہانہ سے لیکر گوداوری کے دہانے تک پھیلی ہوئی تھی ہمیشہ سے خود مختار رہی۔ مغربی ہندوستان بھی اب کچھ عرصہ سے

ملک غیر کے حملہ آور کی اطاعت سے باہر ہو گیا تھا اور مشرق صوبوں میں علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔

اکبر کی تخت نشینی کے وقت ہندوستان کا مغربی کنارہ والا حصہ (یعنی سلطنت گجرات) بھی خود مختار تھا اور وہاں افغانی نسل کا ایک مسلمان بادشاہ سلطنت کرتا تھا۔ البتہ ہمایون نے اُسے تاراج کیا تھا مگر جب وہ ہندوستان سے بھاگ گیا تو یہ ملک پھر خود مختار ہو گیا۔ اور تب سے کسی نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ اس میں اس کے بالکل ہی ملے ہوئے ملک مالوہ میں البتہ ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں یہ کام نہیں رہا تھا۔ مالوہ کی سلطنت (جس میں بہت بڑا حصہ اُس ملک کا شامل تھا) جواب وسطی ہندوستان کے نام سے مشہور ہے) بھی اکبر کی تخت نشینی کے وقت خود مختار تھی۔ خاندیس کا بھی یہی حال تھا۔ اور راجپوتانہ کی ریاستوں کی بھی یہی حالت تھی۔ ان ریاستوں کی حالت کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔

مشہور رانا ساونکا کے کارناموں کا ذکر باب اول کے ماحول میں آچکا ہے۔ اس راجہ کے بارے میں شکست لکھانے کا بہت بڑا اثر ہواڑ کی طاقت پر پڑا۔ اور جب شیر شاہ نے ہمایون کو ہندوستان سے

نکال باہر کیا تو میواڑ کے سب راجہ اس فتح کی عظمت کے تسلیم کرنے پر
 مجبور ہو گئے۔ مگر شیر شاہ کی وفات کے بعد جو ہنگامے برپا ہوئے اگلی وجہ
 سے یہ لوگ پھر خود مختار ہو گئے اور اکبر کی نخت نشینی کے وقت بھی یہ لوگ
 راجپوتانہ کی ریاستوں میں سر برآوردہ تھے۔ باقی ریاستوں کی بابت مختصر طور
 سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جے پور کے راجاؤں نے باہر کے
 وقت میں مغلوں کی اطاعت کر لی تھی۔ اُس وقت جو راجہ بھرم نامے تھا
 اُس نے فوج سے بھی باہر کی مدد کی تھی۔ اور ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست
 پانے کے پہلے والی آمیر کا معزز شاہی خطاب اُسے عطا کیا تھا جب اکبر نے
 بانی پت لیا ہے تو بھرم کا بیٹا جھگو انداس گدڑی پر تھا۔ جو دھپور اُس زمانہ
 میں جے پور سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ وہاں کے راجہ مالدیو سنگھ نے میدان
 جنگ میں شیر شاہ کو اور سب دشمنوں سے زیادہ مشکل میں ڈال دیا تھا۔ مگر
 جب ہمایوں بھاگ کر گیا تو اس راجہ نے اُسے پناہ دینے سے انکار کیا۔
 جب اکبر نخت پر بیٹھا تو وہ زندہ تھا اور خود مختار تھا اور راجپوتانہ کے سب
 راجاؤں سے زیادہ طاقتور تھا۔ جیلیر بیکانیر اور ریگستان کے کنارہ
 کی اور سب ریاستیں بھی خود سر تھیں۔ راجپوتانہ کی چھوٹی ریاستوں کا بھی یہی

حال تھا۔ سندھ میں اور نیزستان میں یہی حالت تھی۔ میوات اور جھیکھڑ کی ریاستیں بھی کسی غیر ملک کے فرمانروا کے تابع نہ تھیں۔ مگر گواکیار۔ اُچھا چندر پری زور۔ اور پنا۔ کی ریاستیں اگرہ کے قرب کی وجہ سے ٹھوڑی بہت بلج گزار ضرور تھیں اور یہ کمی زیادتی اس فرصت پر منحصر تھی جو فاتح کو اس کام کے لیے مل جاتی کہ اپنی حکومت نافذ کرے۔

لیکن اُن ممالک میں بھی جو مسلمان فاتح کی سلطنت کے تابع تھے آپس میں کوئی اتفاق نہ تھا۔ بادشاہ سلطان یا شہنشاہ جو ان مختلف خطابوں سے بکارا جاتا تھا محض ان امیروں کا بڑا سردار تھا جنکو مختلف ممالک سپرد تھے۔ اپنے دربار میں اسکی حکومت پوری پوری تھی۔ میدان جنگ میں خوج سب اسکے تحت میں ہوتی تھی۔ مگر صوبجات کے اندر وہی انتظام میں وہ کچھ دخل نہ دیتا تھا۔ اگرچہ برے نام ایسا نہ تھا مگر حقیقت نفس الامری یہی تھی کہ ہر صوبہ اپنے اپنے نائب السلطنت کے تحت میں بالکل خود مختار تھا۔

جس قدر شہادت متفق ملتی ہے اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو رعایا (جنکی آبادی مسلمانوں کے زیر حکومت ممالک کی کل آبادی کے آٹھ حصوں میں سے سات حصہ تھی) اپنی حالت میں خوش تھی۔ انکو اپنے مذہبی رسوم کے

ادا کرنے کی پوری آزادی تھی۔ مگر جزیہ یعنی وہ محصول ادا کرنا پڑتا تھا جو مسلمانوں نے بحساب سرشماری غیر مذہب کی رعایا پر لگا رکھا تھا۔ مگر گورنمنٹ کے ہر صیغہ میں ہندوؤں کا بڑا زور تھا۔ بہت سے ممالک میں اس فرقہ کے لوگ حاکم وقت کی ماتحتی میں موروثی اختیارات رکھتے تھے اور جنگ کے وقت میدان کارزار میں لڑنے کے لیے اپنے مقررہ حصہ کے مطابق فوجیں دیا کرتے تھے۔

اس طرح ہر ملک میں وہاں کی مقامی فوج رہتی تھی اور جب ضرورت ہوتی تو وہ اس کام کے لیے طیار ہوتی تھی کہ حاکم وقت اس سے کام لے۔ مگر علاوہ دہلا واسطہ اس فوج کے ہر صوبہ کے حاکم کے پاس قریب قریب ہمیشہ کچھ شاہی فوج بھی ایک مقررہ تعداد میں رہتی تھی اور اس فوج کی تنخواہ سلطان دیتا تھا اور اسکی کمان اس افسر کے متعلق ہوتی تھی جسے خود سلطان نامزد کرتا تھا۔ یہ افسر زیادہ تر حاکم وقت سے بے تعلق ہوتا تھا اور براہ راست بادشاہ کو جوابدہ رہتا تھا۔

نظری طور پر عدل گستری کا انتظام بالکل مکمل تھا کیونکہ مسلمانوں کے اس اصول کے مطابق عمل ہوتا تھا کہ سلطنت کا دار مدار قانون پر ہے۔

اس قانون کا نفاذ قاضی لوگ اس مجموعہ کے مطابق کرتے تھے جو بہت سے ایسے فیصلہ جات پر مشتمل تھا جو قرآن کی رو سے صادر ہوتے تھے اور رواج ملک کے مطابق ترمیم کر لیے جاتے تھے۔ دیوانی کے سب مقدمات بلکہ وہ تمام مسائل جبکہ سلطنت کی حفاظت سے تعلق نہو تا تھا قاضی کے یہاں فیصل ہوتے تھے۔ مگر فوجداری مقدمات کا اختیار سماعت ایسے چند آدمیوں کے گروہ میں محدود ہوتا تھا جبکہ عملدرآمد کا ضابطہ عملی طور پر غیر مشخص تھا اور جنگی نامزدگی اور امداد بادشاہ وقت کی طرف سے ہوتی تھی اور جو بعض اوقات قاضی کے اختیارات پر بھی حاوی ہو جاتے تھے۔ بہر کیف رعایا کی عام خوشحالی کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکال لینے کی گنجائش ہے کہ بحیثیت مجموعی عدل گستری ٹھیک طور سے ہوتی تھی۔

زمانہ نے ابتدائی وقت کے آئینے ولے مسلمانوں اور یہاں کے قیام رہنے ولے ہندوؤں کے خاندانوں میں باہمی تعلقات پیدا کر دیے تھے اور دونوں کے دونوں قانون سے یہ امید رکھتے تھے کہ ہماری حقدار حفاظت ممکن ہے وہ اسی سے ہوگی۔ باوجود اسکے کہ بیشمار لڑائیاں ہوئی تھیں اگر اس ملک کے لکھنے والوں کی تحریروں پر اعتبار کیا جائے

تو ملک کی حالت بہت سوسہری کی تھی۔

جس نظام سلطنت کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسکے متعلق یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ بابر اور ہمایوں دونوں میں سے ایک نے بھی اس طریقہ کو نہیں بدلا تھا جو ان کے افغان متقدمین نے ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ بلکہ بابر اور بھی زیادہ شخصی سلطنت کے طریقہ کل بھادی تھا۔ کیا فرغانہ کیا سمرقند کیا کابل جہاں کہیں وہ رہا وہ نہ صرف دارالخلافہ کا مالک اعلیٰ رہا بلکہ اپنے مقرر کیے ہوئے حاکمان صوبجات کا بھی سردار رہا۔ یہ حاکم یعنی مختلف اضلاع یا جاگیروں کے سردار اپنے اپنے تحت کے ملک میں سولہوں آنے کے مالک ہوتے تھے۔ مگر بادشاہ کی مرضی کے مطابق انکی موت تو فی ہر وقت عمل میں آسکتی تھی۔ اور انکا یہ کام ہو گیا تھا کہ ایسے طریقہ سے انتظام کریں کہ جبکا واقعی انصاف تقضی ہو یا دربار میں ایسے سفیر رکھیں جو بادشاہ وقت کے حضور میں انکے حقوق کے نگران رہیں۔

اسی طرح فوج میں بھی بادشاہ کے ذاتی رفیق ہوتے تھے اور انکی تعداد اسکے سردار اور وابستگان کے اُن رفیقوں سے بڑھ جاتی تھی جو ان ہی ملک کے لوگوں میں سے ہوں جہاں وہ برسر حکومت ہوتے تھے۔

بابر اور اسکے بیٹے دونوں کے وقت میں سلطنت کا طریقہ محض تسلط
 بٹھا لینے کا رہا۔ آزادی کے کام اس زمانہ میں معدوم تھے۔ ایک بادشاہ
 کے جاری کیے ہوئے قانون کو اسکا جانشین منسوخ کر سکتا تھا۔ غرض
 یہ کہ ہر جگہ ذاتی خیالات پر دار مدار تھا۔ صرف کامیاب بغاوت کا ایک طریقہ
 ایسا تھا کہ جس سے بادشاہ کی مرضی کی مخالفت ہو سکتی تھی لیکن اگر بادشاہ قابل
 ہوتا تھا تو کامیابی کے ساتھ بغاوت کرنا قریب قریب محالات سے تھا۔
 اگر وہ قابل اور منصف مزاج دونوں ہوتا تھا تو وہ یہ سمجھ لیتا تھا کہ بغاوت
 سے محفوظ رہنے کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ عدل گستری سے کام لے
 چنانچہ بابر نے جو ممالک ہندوستان فتح کیے تو ان میں بھی آپس میں
 اُسے ایسا ہی پایا۔ جو اس آئین سے بالکل مختلف نہ تھا جسکا وہ شمالی ملکوں
 میں عادی رہا تھا۔ اگر اُسے اسے بدلنا بھی چاہا ہو تو اتنی فرصت اُسکو میر
 نہ تھی۔ اور اسکے جانشین کو تو نہ اتنی فرصت میر تھی اور نہ اسکی رغبت تھی۔
 جس طریقہ سلطنت پر وہ اپنے مرنے سے کچھ ہی پہلے غور کر رہا تھا اُسکے
 اصولوں کی ماہیت میں کوئی ترقی اس طریقہ کے مقابلہ میں نہیں آتا۔ ہر مرنے
 جو ہندوستان میں رائج تھا۔ وہ سلطنت کو چھ بڑی بڑی قسموں میں تقسیم

کرنے والا تھا کہ اُنکے صدر مقام یا دارالخلافہ قہلی آگرہ قنوج جو پورنا منڈو
 و لاہور قرار دیے تھے۔ انہیں سے ہر ایک مقام پر بڑی فوجی چھاؤنی
 قائم کرتا اور ہر جگہ اس قدر فوج فراہم کرتی کہ بیرونی امداد کی محتاجی نہ رہ جاتی۔
 اور شہنشاہ ان سب اجزاء کو ایک سکل میں اس طرح متفق کر دیتا کہ بارہ ہزار سوار
 ساتھ لیکر مابری باری سے ہر قسمت میں دورہ کرتا اور مقامی افواج کا معائنہ
 کرتا اور ملک کی عام حالت ملاحظہ فرماتا۔ اس طریقہ میں بہت سی خرابیاں
 تھیں۔ اگر بادشاہ ہمیشہ اپنے سپہ سالاروں سے زیادہ قابل ہوتا تو بھی
 انتظام کا یہ طریقہ بہت خراب ہوتا۔ اگر بادشاہ اُن سے کم قابل ہوتا تو پورے
 سال بھر بھی یہ طریقہ چل نہ سکتا۔

ہمایون کے وقت دارالخلافہ سے اس منصوبے میں کھنڈت پڑ گئی
 اور اس کا نفاذ نہ ہونے پایا۔ پھر وہ جنگی واقعات ہوتے رہے جن کا آخری
 نتیجہ فتح بانی کی صورت میں ظہور میں آیا۔ اس لڑائی سے خرد سال اکبر کو
 پھر وہی حالت نصیب ہوئی جو تیس برس پہلے اُسکے دادا بابر کو حاصل
 تھی۔ اُس وقت بابر کو مغربی شمالی ہندوستان و بہار اور وسطی ہندوستان
 کے ایک حصہ کے فتح کر لینے کا موقع مل گیا تھا اور اُس نے اُس موقع سے

قائم بھی اٹھایا تھا۔ پانی پت کی دوسری لڑائی سے اکبر کو ایسا ہی موقع ہاتھ لگا۔ اس میدان میں اکبر نے ایسے دشمن پر فتح پائی تھی کہ پس اکیلا وہی ایسا تھا جس کے ساتھ برابری کا مقابلہ ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ فتح کر لینے تک تو کوئی ہوشواری کام میں نہ تھی مگر اس فتح کو قائم رکھنا اور مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں یکجہتی پیدا کرنا۔ اور ایسا سب پر حاوی ہونے والا طریقہ ایجاد کرنا اور جاری کرنا کہ ادھر تو اسکے ذریعہ سے بادشاہ کا رعب ہر ہر صوبہ اور ہر ملک میں پکڑا غالب رہے اور ادھر یہ نہ ہونے پائے کہ کسی جگہ کے حالات رسم و رواج اور عادات و خیالات میں خلل پڑے۔ یہ ایسا کام تھا کہ جسکی اُسکے دادا نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی۔ اگر اسکو یہ سوچتا یا سوچایا بھی جاتا تو وہ اُسے محالات سے سمجھتا۔ اسی طریقہ کے ان لوگوں کی تدبیروں میں داخل نہ ہونے کا باعث تھا کہ ۱۵۲۶ء کو فتح پانی پت کے دوسرے ہی دن سلطنت کی یہ حالت تھی کہ زمین میں جڑ نہ پکڑی تھی اور اُسکا دار و اُراسی پر منحصر تھا کہ برابر جنگی فتوحات حاصل ہوتی جائیں یا وہ مخالفت کے پہلے ہی تہ جھوٹے میں خاتمہ تھا۔ اور ذرہ برابر بھی تو اُن مغرور و غوری قلمی تغلق سید اور لودیوں کی سلطنت سے زیادہ پامدار نہ تھی جو اس سے پہلے بیان رو چکی تھیں۔ اسکا ثبوت کہ وہ زیادہ پامدار نہ تھی اس سے

زیادہ صریح اور کیا ہوگا کہ بابر نے جو سلطنت قائم کی تھی وہ آگے چل کر بہت لمبائی کے ساتھ شیر شاہ کے حلقوں سے زیر ہو گئی۔ یہ ضرور تسلیم کر لینے کی بات ہے کہ اگر بابر ہمیشہ کو زندہ رہنے والا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ شیر شاہ کو پھر مار بیٹا۔ مگر اسی بات کے تسلیم کر لینے سے تو میری دلیل ثابت ہوتی ہے۔ بابر بہت بیدار مغز سپہ سالار تھا۔ شیر خان بھی ایسا ہی تھا۔ ہمایون گریز پاستون اور نا آسودہ کار تھا اور سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے تو بہت ہی کم درجہ کا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ جس شیر خان نے ہمایون پر فتح پائی وہ بابر سے شکست کھانا مگر یہی تو اسی بات کا ثبوت ہے کہ جو طریقہ بابر نے جاری کیا تھا وہ وہی طریقہ تھا جس کا وہ ساری عمر غور رہا تھا۔ اور اسی طریقہ کی بدولت کبھی فرغانہ اور سمرقند اسکے پاس سے نکل جاتا تھا اور کبھی پھر ہاتھ آجاتا تھا۔ اور اُسی کی بدولت پہلے کابل ملا تھا اور پھر کچھ برس بعد ہندوستان ہاتھ آیا تھا۔ اور یہ طریقہ وہی تھا کہ جکی لامٹی اسکی بھنیس۔ نہ فرغانہ میں نہ سمرقند میں نہ کابل میں نہ پنجاب میں نہ ہندوستان میں۔ کہیں بھی تو سلطنت نے جڑ نہ پکڑی۔ سوریج پوچھیے تو جڑ پکڑنا سرے سے ممکن ہی نہ تھا کیونکہ پھسلنے کی قوت ہی نادر تھی۔

۵۶ء کے خاتمہ پر ایک دفعہ کی جیت کر باری ہوئی سلطنت پھر

پتی کئی تھی اور اُس لڑکے کے ہاتھ میں تھی جسے مصیبت اور سختی کے مدرسہ
 میں تعلیم پائی تھی اور جبکی عمر مہینہ اوپر چودہ برس کی تھی۔ پانی پت سے اسے
 ہندوستان مل گیا تھا۔ عمر کم تھی تو اُسے دنیا بہتہ دیکھ لی تھی۔ باپ برابر اُس سے
 صلاح لیا کرتا تھا۔ فنون جنگ کی تعلیم اُسے اس زمانہ کے سب سے اول نمبر
 کے سردار بیرم سے پائی تھی۔ چہ مہینہ کے اوپر ہی اوپر پنجاب میں حکومت بھی
 کر چکا تھا۔ مگر اب اسکی دوہری آزمائش کا وقت آیا کہ فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ
 منتظم کس پایہ کا تھا۔ اس کا نظریہ نہ باپ کا نہ کچھ کار آمد تھا نہ بیرم کی تعلیم کچھ
 زیادہ سودمند تھی۔ جان تک معلوم ہوا ہے اُسے ابھی سے اس عقل سلیم کے
 جو ہر دکھانے شروع کر دیے تھے جو مشکل سے گھبراناجاتی ہی نہ تھی۔ اور طبیعت
 رحم کی طرف مائل پائی جاتی تھی۔ ہیو کو قتل کرنے سے اُسے انکار ہی کیا۔ مگر اب
 جو کام اُسے درپیش تھا اس میں اور اوصاف کی بھی ضرورت تھی۔ اب اُسکے
 اور افعال سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کام کے پورا کرنے کے لیے کیا کیا
 اوصاف اُس میں موجود تھے۔

اکبر ۱۔ اکتوبر ۱۵۵۶ء کو پیدا ہوا اور پانی پت کی جنگ ثانیہ۔ نومبر ۱۵۵۶ء کو ہوئی۔

دسواں باب

بیرم خان کی انا بلقی کا زمانہ

سب سے پہلے اکبر کی صورت ظاہری کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اُس کے بیٹے شہزادہ جہانگیر نے لکھا ہے کہ ”اکبر کا قد میاں تھا اگر کسی قدر نکلتا ہوا۔ رنگت گندمی تھی اور بہ نسبت گورے پن کے سانولاپن زیادہ تھا۔ آنکھیں اور بھوین سیاہ تھیں۔ دو ہر جسم کھلی ہوئی پیشانی۔ چوڑا سینہ۔ بازو اور ہاتھ لمبے۔ ناک کی بائیں جانب چھوٹے ٹشکے برابر ایک کچی مسہ تھا جو خواہ صورت معلوم ہوتا تھا۔ اور قیافہ دان لے بہت مبارک سمجھتے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ جیسا ب دولت اور روز افزون اقبال کی نشانی ہے۔ آواز بہت بلند تھی اور بول چال نہایت شیریں اور دلاویز تھی۔ اس کے عادات و طریقے اور لوگوں سے بالکل جدا گانہ تھے اور منہ پر خدا کا نور برستا تھا“ اور لکھنے والوں نے بھی سب اہم باتوں میں ان تعریفات کی تصدیق کی ہے۔ ایفیشن صاحب

x دیکھو سرسری الیٹ کی ہسٹری آف انڈیا یا انڈیانا بانی اس آف ان سٹورس جلد ششم صفحہ ۲۹۰۔

لکھتے ہیں کہ ”وہ گتھے ہوئے جسم کا خوبصورت آدمی تھا اور چہرہ بہت دلکش تھا اور اطوار ایسے تھے کہ اپنا گردیدہ کر لیتے تھے“۔ جسمانی طاقت میں بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ بہت سخت ٹکان برداشت کر سکتا تھا۔ زین سواری۔ پیادہ روی تیر اندازی۔ شکار۔ اور جملہ ایسی ورزشوں کا شائق تھا جن میں طاقت اور مہارت کی ضرورت ہے۔ اسکی دلیری اس طرح کی بغیر جوش و خروش والی دلیری تھی جو مشکل میں کہیں دعا نہ دیتی تھی بلکہ خطرہ اور پریشانی کے وقت اور بھی زیادہ روشن ہو کر چمکتی تھی۔ اگرچہ وہ لڑائی کے لیے طیار رہتا تھا خصوصاً ایسے کاموں کے واسطے جن میں وہ سلطنت کی بہبود یا عوام کی خوشحالی کے لیے ضروری سمجھتا تھا اسکو لڑنے سے کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ اپنے تئیں اُن ہی انتظامی طریقوں میں مصروف رکھنے کو کمین زیادہ ترجیح دیتا تھا جکو وہ اپنی حکومت اصلی کی بنیاد سمجھتا تھا۔ اس لحاظ سے جنگ سے اسکو صرف اس قدر تعلق تھا کہ گویا یہ ایسا برا کام تھا کہ چکے بغیر کیے چارہ بھی نہ تھا۔ اسکے زمانہ میں شروع سے آخر تک ہم ہی پائینگے کہ اُس نے ایک لڑائی بھی ایسی نہیں بردبار کی جس نے اپنے انتظام ملکی کی تکمیل کے لیے لازمی نہ سمجھا ہو۔ اسکے مزاج میں اُفس تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ وفاداری کرتا تھا۔ دوسروں کے

دل مٹھی میں کر لینے کا پورا ملوہ رکھتا تھا۔ خونی زری سے نفرت کرتا تھا۔ ہمیشہ چاہتا تھا کہ انصاف کے ساتھ رحم ملارہے۔ عفو کو انتقام پر ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اگر صورت ایسی آپڑتی کہ اسی کی ضرورت ہوتی تو وہ سخت مزاج بھی بن جاتا تھا۔ اور اپنی طبیعتی رحم دلی پر غالب آنے کو اپنا دل فولاد کا کر لیتا تھا۔ مثل اور سب بلند و صلہ لوگوں کے اُسکو دوسروں کی راحت رسانی میں بڑا مزہ آتا تھا۔ اس طرح فیاضی اسکی فطرت کا ایک جزو بن گئی تھی اور جب اسکی دریافتی سے فیضیاب ہونے والا نا اہل ثابت ہوتا تھا تو وہ بجائے اسکے کہ اپنی فیاضی پر متاسف ہو یہی کوشش کرتا تھا کہ اُس نا اہل کی اصلاح کرے۔ ملکی انتظام کی طرف وہ فطرتاً رغب تھا۔ بجائے جنگ کی تدبیریں سوچنے کے وہ اسے بہت زیادہ ترجیح دیتا تھا کہ ایسی تدبیر ایجاد کرے جس سے وہ ہمارے جھکاوے ملنے یا ہتھوں سے تعمیر کر رہا تھا اسکی رعایا کی خواہشوں کے مطابق طیار ہو۔ جلد ایسے مسائل میں جس سے ہر زمانہ میں بنی فوج انسان پر اثر پڑے اور اب تک پڑتا ہے۔ یعنی مسائل مذہب و مصالح ملکی و عدل گستری۔ ان میں اسکا دل کشادہ اور تعصب سے بالکل خالی تھا اور معلومات کے حاصل کرنا شائق رہتا تھا۔ وہ مسلمان پیدا ہوا تھا اور تربیت بھی اسی مذہب میں اپنی تھی۔

باہم بڑی آزادی کے ساتھ مساوات کے درجہ پر بود، متوالون برہمنون مجوسیون
 اور عیسائیون سب سے ملتا تھا۔ اُس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ آخر عمر میں اُسکو
 علما سے نفرت ہو گئی تھی اور ان لوگوں کو دربار سے نکال دیا تھا۔ یہ کہنا
 زیادہ صحیح ہوگا کہ جو علما اُسکے دربار میں زیادہ بار یافتہ تھے اُنکا جو تعلیم پائے ہو
 اُسی پر ہٹ دھرمی کے ساتھ اڑا رہنا اور تعصب اور وسوسات کو راہ دینا
 اُسکو نا پسند تھا۔ یا یوں کہیے کہ اُسکو علما کے عیوب و نقائص سے نفرت تھی اور
 جب یہ حد سے زیادہ بڑھ گئے تو اُسنے اُنکو دربار میں آنے سے روک دیا۔
 اس امر کا کہ اور باتوں میں اُسکی حالت کیا تھی اس کتاب کے آخر باب کو پڑھ کر
 ناظرین بطور غور و اندازہ کر لیں گے۔ مجھے امید ہے کہ جو بیان اوپر کیا گیا ہے
 وہ اس مقصد کے لیے کافی ہے کہ ناظرین کو کسی قدر اندازہ اُس خرد سال
 بادشاہ کی قابلیت مضمرہ کا ہو جائے جو چودہ برس کی عمر میں بیرم خان کی الہیاتی
 میں میدان پانی پت میں پنجاب ہو کر بغیر کہیں ٹھہرے ہوئے میدان جنگ
 سے سدھادہلی پر چڑھ گیا تھا۔ اگر ہوں بھی تو اُسکے ساتھیوں میں بہت ہی
 چند لوگ ایسے ہونگے جو اس زمانہ میں اُسکے ذاتی جوہر اور طبع رسا کا پورا درخشاں
 رکھنے ہوں۔ یہ تو یقینی ہے کہ اُسکا اتالیق بیرم اُسکا پورا مزاج شناس تھا۔

اور نہ سسرہند میں تردی بیگ کو اپنے غیمہ میں بلا کر قتل کرتا نہ خرد سال بادشاہ کو یہ صلاح دینا کہ گرفتار بھیو پر اپنی شمشیر کا وار کرے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں بیرم اور نیز دیگر امرے دربار سب پر یہ حال کھل گیا کہ ہمایون کا بیٹا ایسا بڑکا نہیں ہے جس راہ چلائیں اسی راہ چلے بلکہ ایسا آقا ہے کہ اسکے احکام کی تعمیل ہی کرنی پڑے گی۔

اکبر مہینہ بھر دہلی رہا۔ وہاں سے ایک فوج میوات کو بھیجی کہ یہ وہی لشکر خاں فوج کا تعاقب کرے کہ بہت سا خزانہ اُسکے ساتھ تھا۔ اس مختصر لڑائی میں اُسکے سپہ سالار پیر محمد خان شروانی کو (جو اُس زمانہ میں بیرم کے ساتھیوں میں تھا اور بعد میں بیرم کے ہاتھوں بہت پریشان کیا گیا تھا) بہت کامیابی رہی پھر اکبر نے اگرہ پر چڑھائی کی اور اُسے لے لیا۔

لیکن جب تک پنجاب پر تسلط نہ ہو جاتا جنوب تلج کی فتوحات ضرور عرضِ ظہر میں تھیں۔ اور جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے اکبر مجبور ہو کر اپنے خاندان کے جانی دشمن سکندر سور کو (جسے اُس نے بھگا دیا تھا مگر مغلوب نہیں کیا تھا) مان کوٹ کے قلعہ میں چھوڑ آیا تھا۔ سال آئندہ یعنی ۹۵۷ھ کے ماہ ماہِ ربیعِ الثانی میں خبر پائی کہ جو فوج پنجاب میں چھوڑ آیا تھا اُسکے ہراول کو سکندر نے لاہور

چالیس میل کے فاصلہ پر شکست دی۔ جو سردار پنجاب سے آئے انھوں نے
اکبر سے کہا کہ معاملہ بیہذب ہے کیونکہ سکندر کو مان کوٹ میں بہت مضبوط
بجیل لگی ہے اور چاہے میدان میں شکست بھی پا جائے وہاں سے نکل
تھک کر بہت دق کیا کرے گا اور فتح سے اُسکے طرفداروں کے دل اور بھی بڑھ گئے
ہیں۔ اکبر نے اس حجت کی معقولیت پورے طور پر سمجھ لی اور اس اصول پر
کا رہنہ ہونے کا ارادہ کر لیا جس سے اسکی سلطنت کو بڑی قوت حاصل رہی ہے
یعنی یہ کہ اگر کوئی کام کرنا ہے تو اسی پوری طرح کرنا چاہیے۔ چنانچہ سید حالامہور
کی طرف بڑھا۔ لاهور کو محفوظ پایا تو وہاں سے جالندھر آیا کہ وہاں غنیم پڑا ہوا تھا
اکبر قریب پہونچا تو سکندر شاہ سلسلہ کوہ سیوالک کی طرف بھاگا اور مان کوٹ میں
گھس رہا۔ اکبر نے محاصرہ کر لیا۔

چھ مہینہ تک محاصرہ رہا۔ پھر قحط رسہ سے تنگ آکر اور ساتھیوں کے چھوڑ
چھوڑ کر چل دینے سے ضعیف ہو کر سکندر نے اپنے سردار معاملہ کرنے کے لیے
بجیسے۔ اکبر نے یہ درخواست منظور کر لی کہ حریف بنگال کو چلا جائے اور اپنے
بے بنے کو بطور کفیل چھوڑ جائے کہ آئندہ شہنشاہ کے مقابلہ میں لڑائی نہ کرے گا۔ قلعہ
تسجیر ہو گیا اور اکبر لاهور واپس آیا۔ چار مہینہ چودہ دن بیان رہ کر اس صوبہ کا

انتظام ٹھیک کیا اور پھر دہلی کی طرف بڑھا۔ راستہ میں جالندھر میں مقام کیا اور یہیں بیرم خان کی شادی بادشاہ مرحوم ہمایوں کی چچا زاد بہن کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی خود ہمایوں نے ٹھہرائی تھی اور نوجوان بادشاہ کے لیے باپ کی اس قسم کی باتیں قانون کی طرح واجب التعمیل تھیں۔ ۱۵۱۵ء کو اکبر پھر دہلی میں داخل ہو گیا۔ ہنوز کاروبار انتظام واقعی بادشاہ کا اتالیق بیرم خان ہی کرتا تھا اور آئندہ دو برس یعنی ۱۵۱۶ء و ۱۵۱۷ء میں بھی وہی کرتا رہا۔ ایک کم عمر لڑکے کے لیے یہ آسان بات نہیں ہے کہ جس بڑے سپہ سالار کے تحت میں رہ کر کسے اپنا کام سیکھا ہو اس کا دبا دیک دم سے اپنے دل سے نکال ڈالے۔ بہت سے افعال جو اتالیق صاحب نے اکبر کے نام سے جائز رکھے ممکن ہے کہ اکبر کو دل سے پسند نہ آئے ہوں۔ مگر وہ اپنے آپ میں اس قدر قوت نہیں پاتا تھا کہ دباؤ کا جو اپنے کندھوں سے اتار پھینکے۔ لیکن جب وہ لوگ سختی کے ساتھ دفع کئے گئے جنکو اکبر عزیز رکھتا تھا اور جنکا بیرم بوجہ دشمن ہو گیا تھا تو رفتہ رفتہ بادشاہ کا دل اپنے دماغ وار وزیر کی طرف سے پھرتا گیا۔ اور دل پھر نا شروع ہوا تو بڑھتا ہی چلا گیا۔ بیرم کو یہ خبر نہ تھی کہ میرے مالک کے مزاج میں جو قوتیں ہیں وہ سال بسال مضبوط ہوتی جاتی ہیں اور جو

قدرتی اوصاف اس کو فطرت نے عطا کئے ہیں انہیں ہر سال تجربہ اور دنیا کے کاموں کی واقفیت کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ اب تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کا میں آئین ہون کی فوج میں میری سرداری سے میدان میں فتحاب موئی ہوں اور جس کی سلطنت کا میں انتظام کر رہا ہوں۔ بغیر کسی روک ٹوک کے اختیارات کو کام میں لانے کی وجہ سے اس کو ایسے اختیارات کا کام میں لانا ہی ضروری ہو گیا اور جیسے ایک اپنی ہی ذات پر بھروسہ رکھنے والا مضبوط طبیعت کا آدمی ایسے اختیار کو کام میں لانا اسی طرح وہ بھی لانا رہا۔

ہر نوجوان فرمانروا کے حاشیہ نشینوں میں ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں جو اس بات کو کہ جو اختیارات اُس کے فرمانروا کے ہیں اُن کو دوسرا کام میں لائے اپنی اور اپنے فرمانروا کی انتہا و جہ کی حق تلفی سمجھتے ہیں۔ ہمیں یہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت کہ یہ لوگ کس سبب سے ایسا کہتے ہیں۔ بے اوقات خود غرضی سے اور بہت کم خاص اور بے غرضانہ طبیعت سے غرض کسی نہ کسی سبب سے یہ لوگ اس کے خواستگار ہوتے ہیں کہ نوجوان بادشاہ جو سلطنت کا حقدار ہے وہی اُن کا مربی ہو اور وہی اپنے اختیارات کو کام میں لائے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ اکبر کے پاس بہت سے لوگ ایسے جمع تھے جو ہر دم سے نفرت کرتے تھے۔ جنگویرم سے مضرت پہنچی تھی۔

اور جنگویہ امید بن تھیں کہ بادشاہ سے وہ مراعات جھکو حاصل ہو گئی جنگی وزیر سے
 امید نہیں۔ متورات کی طرف سے بھی بادشاہ کے دل پر اثر ڈالا گیا۔ اسکی امانت
 (جو گوار دین جموں لینے کے زمانہ سے تخت پر بیٹھنے کے بعد تک اسکی خدمت کرتی
 رہی تھی اور اب اسکے حرم سر کی وار دض ہو گئی تھی) اُسے سمجھایا کہ اب اسکا وقت
 آگیا ہے کہ حضور ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اکبر بھی اسکے لئے
 آمادہ تھا۔ اسکا اٹھارواں سال تھا۔ پانی پت کو پھر لیکر اپنے باپ کی سیرات کا
 ایک حصہ حاصل کیے ہوئے اُسے چار برس گذر گئے تھے اور یہ چار برس
 اُسے اس طور پر صرف کیے تھے کہ اُسکے قدرتی اوصاف کی پوری نشو و نما اور
 مضبوطی ہو گئی تھی۔ لیکن اگرچہ وہ اپنے مارالہمام کے ظالمانہ برتاؤ اور بے اصول
 جبر کو دیکھتا تھا اور نفرت کرتا تھا، ہم اُسکے دل میں بیرم کی وہ عظمت بھی تھی جو
 ایک فیاض طبیعت والے میں خواہ مخواہ اُس شخص کی طرف سے پیدا ہو جاتی ہے
 جو بچپن سے اپنا اتالیق رہا ہو۔ تجربہ سے اُسے بیرم خان کے مزاج کو بھی خوب
 سمجھ لیا تھا اور وہ ابھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس سے قطع تعلق کر لیا ہے تو پورا پورا
 قطع تعلق ہونا چاہیے اور اسکو نکالنا ہے تو اس طرح نکالنا چاہیے کہ کچر کسی طرح
 کا کوئی انجنار اُسکے ہاتھ میں باقی نہ رہ جائے۔ وہ جانتا تھا کہ باوجود یہ کہ

سولہویں آنے کا اختیار رہے ورنہ پھر تھوڑا سا اختیار بھی دینا محذو ش ہوگا۔

۱۵۶۷ء کے آغاز میں بہت سے واقعات ایسے پیش آئے کہ اکبر نے
 عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ چنانچہ اپنے وزیر کو
 اس ارادہ سے لگا دے کرنے کی غرض سے آگرہ چھوڑ کر دہلی روانہ ہوا۔ بیرم کی تہنیت
 کا منو نہ دکھا چکا تھا کہ جس رقیب یا سردار سے اسکو نفرت ہو اسکو کس طرح
 غرض کرے۔ اسکا طریقہ یہ تھا کہ یا خیر سے کام لے یا تلوار سے۔ مگر نوجوان بادشاہ
 کی پاک طبیعت ایسے علاج سے نفرت کرتی تھی۔ اور جہانگیر اس زمانہ کی تحریرات
 سے معلوم ہوتا ہے کسی شخص کی یہ جرات بھی نہیں ہوتی کہ اسے اس قسم کی صلاح
 دیتا۔ اور اسکی مان اور ماننے بھی یہی صلاح دی تھی کہ یہ بات حکم کے طور پر
 وزیر سے کہی جائے کہ اب آپ عزت کے ساتھ مکہ کو ہجرت کیجیے۔ بیرم نے
 اکثر عام طور پر یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں اس موقع کا منتظر ہوں کہ اپنا
 ملکی کام حسن و خوبی کے ساتھ دوسروں کے سپرد کر کے سبکدوش ہو جاؤں
 اور حج کو جاؤں کہ نجات ابدی نصیب ہو۔ اکبر یہ چاہتا تھا کہ جنگ کی
 نوبت نہ آنے پائے اس نے آشتی ر جاری کیا کہ اب سب کا رو بار
 سلطنت خود بدولت نے سنبھالا ہے سولے ہمارے احکام کے اور کسی کے

حکام کی تعمیل نہ کی جائے۔ اسی مضمون کا پیام وزیر کو بھی بھیجا اور یہ صلاح دی کہ آپ کا کہ چلا جانا مناسب ہے۔ بیرم کو اس پیام کے پہونچنے سے پہلے ہی اکبر کے اس ارادہ کی خبر لگ گئی تھی اور اگر وہ سے مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسکو بہت رنج پہونچا اور نیت فاسد ہو گئی کیونکہ بیاض پہونچکر جو مفید امر ادا ہاں نظر بند تھے انکو آواز کر دیا۔ وہاں اکبر کا پیام پایا۔ اور راجپوتانہ میں ناگور کی طرف بڑھا چلا گیا۔ جن سرداروں سے بیرم سے کچھ رشتہ تھا وہی مع اپنے ہمراہیوں کے اس سفر میں ساتھ تھے۔ انہیں سے ایک کے ہاتھ ناگور سے بیرم نے اپنا طوغ و علم و تقارہ اور سب اسباب شوکت امیرانہ کا بغرض اظہار ارادہ مندی بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اکبر کو یقین دلایا گیا تھا کہ بیرم ضرور بالضرور پنجاب کو حضور کے خلاف اٹھانے کی کوشش کرے گا چنانچہ وہ فوج لیکر اس صوبہ کی جانب روانہ ہوا تھا۔ مقام جھجھر ضلع رہتک میں یہ اسباب شوکت شاہانہ پہونچا۔ اکبر نے سب اسباب ایک ایسے شخص کو عطا کیا جو پہلے بیرم کا

۴ وہ پیام تھا۔ مجھے تمہاری ایمانداری اور دیانت پر پورا بھروسہ تھا اسلئے سب کاروبار سلطنت تم پر چھوڑ کر اپنے ہر دلب میں مصروف تھا۔ اب مرضی یہ ہے کہ تم ان سلطنت اپنے ہاتھ میں نبھالو۔ مناسب یہ ہے کہ تم جمع کے واسطے کہ چلے جاؤ کہ مدت سے تمہاری اسی ارادہ تھا۔ پرگنہ جات ہندوستان سے جواگیر میں ہو وہ تمہاری بلوغت کے لیے مقرر کر دیے اور تمہارے گماشتے اسکا حاصل تمہارے پاس پہونچاؤ یا کریں۔

رفیق تھا مگر کچھ غصہ سے سورد عتاب ہو گیا تھا۔ اور حکم دیا کہ جاؤ اپنے آقا کے قیدم
 کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ اور اُن کو سفر مکہ کے واسطے جہاز پر سوار کرادو بیرم
 کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور فوراً بیکانیر کی طرف پلٹا اور اپنے اہل و عیال
 کو اپنے متنبہ زن کے سپرد کر کے علم بناوت بلند کیا۔ مگر ابھی تک بیرم کو یہ
 یہ معلوم تھا کہ سلطنت مغلیہ کے باغی اور سلطنت مغلیہ کے معتمد دارالاسلام کی
 حالت میں زمین آسمان کا فرق ہے دیپال پورہ پر پہونچا تھا کہ یہ خبر آئی کہ اُسکے
 متنبہ بیٹے نے امانت میں خیانت کی اور اُسکے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ارادہ کیا
 کہ چلو جائے دہرہ و آب ہی کو باغی کر دودہ اس مشہور جگہ کی طرف بڑھا۔ مگر سرحد ہی
 پر پہونچا تھا کہ اتجہ خان حاکم پنجاب کی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا۔ لڑائی ہوئی بیرم
 نے شکست کھائی اور تلج کنا رہہ تلوڑہ بھاگ گیا۔ یہ مقام لدھیانہ سے تین
 میل جانب مغرب واقع ہے۔ اکبر بھی پیچھے ہی پیچھے آ رہا تھا۔ کہ اُسکے نائب ہی
 سے مقابلہ ہو گیا۔ اور اُسی نے شکست دے دی۔ اب اکبر اپنے آلیق کے
 تعاقب میں لگا اور ایسا وق کیا کہ بیرم خود ہی حاضر ہو گیا اور رحم کا لہجہ ہوا۔
 اکبر نے پہلی خدمات کو یاد کر کے قصور معاف کیا اور زر کشید کر کے کی طرف روانہ
 کر دیا۔ بیرم مع انخیر گجرات پہونچا۔ حاکم گجرات بڑی خاطر سے پیش آیا۔ ابھی ہندوستان

سے روانگی کی تیاری ہی کہ رہا تھا کہ ایک لوہانی افغانستان نے جسکا بی بی چھیڑا
 کی لڑائی میں مارا گیا تھا اسے قتل کر ڈالا۔ اس عرصہ میں (۹- نومبر ۱۵۵۷ء کو)
 اکبر دہلی واپس آگیا تھا۔ یہاں چند روز آرام کیے اگر وہ کی طرف بڑھا کہ وہاں اُن
 منصوبوں پر کاربند ہو جائے ملک گیری و اتفاق اور نیز ان منصوبوں کے ایک
 کر دینے کے لیے بنائے تھے جنکو ملا کر اُسے سلطنت قائم کرنی تھی۔ سچ پوچھیے
 تو اکبر کی سلطنت (اس معنی کر کے کہ بغیر ایسے وزیر کے حکومت کی جائے جو خود
 ملک بنا ہوا ہو) اسی تاریخ سے شروع ہوئی۔ وہ آدلیق جسے سلطنت کا سا
 کاروبار اپنے ہی ہاتھ میں کر رکھا تھا جا چکا تھا اور ب ملک کی آئندہ حالت کا
 انحصار محض بادشاہ کی قابلیت پر تھا۔

× کہا جاتا ہے کہ اس اتفاق کو محض انتقام لینا مقصود تھا۔ یرم کی پشت پر خنجر لگا تھا اور نوک سینہ
 جوڑ کر پار ہو گئی تھی۔ بلا کین صاحب اپنی آئین اکبری میں لکھتے ہیں کہ ”کلمہ اسد اکبر زبان سے نکلا
 اور کام تمام ہو گیا“ اکبر نے اُسے بیٹے کی پرورش فرمائی۔

گیارھواں باب

وقایع سلطنت

اکبر کی سلطنت کے تھمٹے سال میں اگر تاریخ جنگ بانی پت سے شمار کیجیے تو پہلے ہی سال میں اگر اسکی ذاتی فرائز وائی کا لحاظ لے کیجیے ہندوستان میں جو اسکی حالت تھی اسکا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مالک تھا پنجاب اور ان ممالک مغربی و شمالی کا جو چارے وقت میں بھی اسی نام سے مشہور ہیں اور زمین بچھم کی طرف گویا را اور اجمیر داخل تھے اور پورب کی طرف بقیہ اودھ مع آگرہ آباد جو پور تک شامل تھا۔ بنارس و چار و صوبجات بنگال و بہار اب تک سو رخانہ ان کے بادشاہوں یا اور افغان خاندانوں کے جانشینوں کے قبضہ میں چلے آئے تھے۔ پور اجنبی ہندوستان اور بہت بڑا حصہ مغربی ہندوستان کا اس عملداری کے باہر تھا جہاں اکبر کا ڈنکا بجتا تھا۔

اس میں نوٹک نہیں کہ بیرم کی اما لیتی کے بانج برس کے زمانہ میں اکبر نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا تھا کہ کس طرح ہندوستان پر حکومت کی جائے کہ

رعایا اور دایان ملک کے دل ایک ہی بادشاہ کی حمایت میں ایک ہو جائیں اور وہ
 اسی کو اپنا قومی بادشاہ سمجھیں۔ اس مسئلہ میں مبادیہ شکنیں تھیں۔ چار صدیان جو
 مسلمان بادشاہوں کی سلطنت کی بیان گزیرین توان مسلمان بادشاہوں نے
 کوئی کوشش اس بات کی نہیں کی کہ اس جزیرہ نما میں جو مختلف قومیں آباد ہیں
 ان میں جانبین کے اغراض پیدا کر کے ایک دوسرے کے ساتھ ایسا دابستہ
 کر دیں کہ سب ایک ہو جائیں۔ اور ہر ایک اپنی چند روزہ برتری کے اصول
 پر حکومت کرتا رہا اور جب کسی بڑی طاقت کا سامنا ہو گیا فوراً ہی گر گیا۔ اسکا
 نتیجہ محض یہی نہیں ہوا کہ پچھلے خاندانوں اور نیز خاندان موجودہ وقت کی بے ثباتی
 کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ تھا کہ نکال سے گجرات تک ملک میں بہت سے
 دعویدار ہو گئے تھے۔ یہ لوگ ان خاندانوں کے پس ماندگان میں سے تھے جو بر
 سلطنت رہ چکے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ نخل بھی چند روز کے
 لیے مالک سریر بن بیٹھے ہیں اور جیسا کچھ مقدمہ زمین ہو یا تو ہم ہی میں سے کسی کے
 ہاتھ سے یا اور کسی نے حملہ آور کے ہاتھ سے نکال باہر کر دیے جائیگے۔ ہمایوں
 جس آسانی کے ساتھ بیان سے اٹھاڑ دیا گیا تھا اُسکی باد سے سلطنت وقت کی
 بے ثباتی کا یقین اور بھی قوی ہو گیا تھا۔ قنوج میں شکست کھاتے ہی وہ بسا

بھاگا تھا کہ تیرہ برس جو مغلوں کی سلطنت یہاں رہی تھی اسکا ذرا سا نام و نشان بھی تو نہیں چھوڑا تھا۔ اور زمین میں ایک جڑ بھی تو نہیں پھوٹی تھی۔

اکبر ان سب باتوں کو سمجھتا تھا۔ وہ اپنے دل میں اسی مسئلہ پر غرض کر رہا تھا کہ کیا کرے کہ رعایا اور دایان ملک کے دلوں سے ان باتوں کی یاد بالکل مٹا دے فتح کوے مگر ملا لینے کی غرض سے۔ جون جون ملک بڑھاتا جاوے ایسے اصول جاری کرتا جاوے جنکو سب فرقے کسان سے ایک راجہ تک ایک ہی طرح پرانین تاکہ سب سی سمجھیں کہ یہی مثل باپ کے ہمارا نگہبان ہے۔ یہی وہ ایکلا شخص ہے جو حکومت کیف سے ضرور بچاے گا۔ یہی اس بات کا یقین دلانے والا ہے۔ کہ ایام قدیم سے جو حقوق اور دستور ہمارے چلے آئے ہیں وہ برابر قائم رہیں گے یہی سب سے قابل آدمی کا حق بلا سکا فل اپنے مذہب ذات یا قوم کے دکھیگا اور اسے اپنی ماتحتی میں ایسے قانون اور انصاف کے جاری کرنے کے لیے مقرر کریگا جو سب فرقوں کے لیے یکساں ہوں۔ جون جون اکبر کے خیالات میں بنگلی آتی گئی اسکے اصول اسی قسم کے ہوتے گئے۔ اسپر یہ الزام لگایا گیا ہے (اور جو متعصب مسلمان صنف اس زمانہ کے تھے انھوں نے تو اسکے جیتے جی لگایا تھا) کہ وہ اپنی ذات میں اوصاف آسمی کے ہونے کا دعویدار ہو گیا تھا۔ یہ

ازام صرف اس معنی کو صحیح ہے کہ ایسے زمانہ میں اور ایسے ملک میں جہاں طاقتور حق مراد افلاظ ہو رہے تھے وہ گویا آسمانی فرشتہ بن کر اتر آتا اور مہندوستان کے لوگوں میں بے تعصبی و انصاف و رحم و برابری حقوق کے پھیلانے کے لیے دنیا میں خدا کی قدرت کا نمونہ تھا۔

اسکی پہلی کوشش یہ تھی کہ سارا ہندوستان ایک ہی کج کے نیچے آجائے اور یہ کام زیادہ تر اس طرح پر انجام دیا جائے کہ جن جن قوموں کو اس غول میں لینا منظور ہو ان سب کو اپنا کر لے تاکہ یہ اکبری طریقہ بخوبی سمجھ میں آجائے میں نے اس مضمون کو طبعی اور اخلاقی دونوں رنگوں سے بیان کرنا مناسب تصور کیا ہے چنانچہ اس باب میں تو ان متواتر کوششوں کا بیان کیا جائیگا جو اس غرض سے ہوتی رہیں کہ جن مختلف سلطنتوں میں ہندوستان اسوقت منقسم تھا وہ سب ایک حکومت میں آکر ایک ہی طرح کے قانون کے پابند ہو جائیں۔ اُسکے بعد کے باب میں اس سلسلہ کی اخلاقی حالت پر بالخصوص زیادہ زور دیا جائے گا۔

جس طرز کی یہ کتاب ہے اُسکے لحاظ سے یہ خالی از طوالت نہوگا کہ اکبر نے جو فتوحات ہندوستان میں کیں ان سب کا تذکرہ بالتفصیل کیا جائے۔ صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ اپنی سلطنت کے چھٹے برس اور اپنی ذاتی انتظام کے

پہلے ہی سال اُسے مالوہ پھر اپنی عملداری میں ملا لیا۔ اسی برس کچھ آگے چل کر یہ ہوا کہ
 چنار اور کرنا سب کے مشرق جانب والے ملک کے افغان فرمانروا نے جو پور
 پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور اکبر کے سپہ سالاروں نے انکو پکڑ دیا اور
 اکبر خود کابل ہی ہو کر گیا اور وہاں جبا اتر کر دریائے گنگا کے دہنے کنارہ آباد
 کے قریب مقام کڑا تک آیا۔ یہاں وہ سردار اسکول گئے جو جو پور پر قبضہ کیے
 ہوئے تھے اور پھر یہاں سے اگرہ مراجعت کی۔ اسی سال کے آخر میں ریاست
 جو دھپور قصبہ مترا کا محاصرہ ہوا کہ اس زمانہ میں یہ قصبہ بہت بڑی جگہ سمجھا جاتا تھا
 اور اجمیر کے آگے شہر جو دھپور سے ۶۶ میل جانب شمال و مشرق واقع تھا۔
 اکبر اُس زمانہ میں اجمیر میں مقیم تھا۔ وہیں سے یہ لیٹاڑ بھیجی اور اسکا انجام کو
 پہونچانا اپنے سپہ سالاروں پر چھوڑ دیا۔ راجپوت لوگ جو محصور تھے انھوں نے
 بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی حفاظت کی مگر سال آئندہ کے موسم بہار میں اس
 شرط پر زیر ہو گئے کہ جو لوگ محصور ہیں وہ سب کے سب اپنے اپنے گھوڑے
 اور متھیاں لیکر چلے جائیں اور اپنا مال و متاع اور اسباب یہیں چھوڑتے جائیں۔
 جس سال مرتا سنخیر ہوا اسی سال (۱۵۶۲ء) مالوہ میں جو سپہ سالار اکبر
 کے تھے انھوں نے بچیم کی طرف بڑھ کر دریائے تاپتی کے کنارہ کے دھپور

پنج گزہ و برہا پتور اور اسکی عملداری میں بڑھا دیے۔ مگر اس قائمہ سے لگے
 چلکر ایک اور صیبت درپیش ہو گئی۔ ان شہروں کے حاکم مالوہ کے نکالے
 ہوئے افغان فرمانروا سے مل گئے اور ملک کے زمینداروں نے جو مدت سے انکی
 حکومت کے عادی ہو رہے تھے انکی مدد سے جی توڑ کر شاہی فوج پر حملہ کیا۔ اس
 فوج نے کہ ابھی بڑا پنور کی لوٹ سے مالا مال ہو چکی تھی پوری پوری شکست کھائی
 کچھ عرصہ کے لیے تو مالوہ ہاتھ سے جاتا رہا مگر سال ختم ہونے پایا تھا کہ سنل
 سپہ سالاروں نے ملک منگا کر پھر اُسپر تسلط کر لیا۔ وہ افغان سردار جو مالوہ کا
 حاکم تھا کچھ دنوں ادھر اُدھر مارا پھرا۔ آخر اکبر سے رحم کا خواستگار ہوا اور بقول
 ایک وقایع نگار کے تقدیر کے غصہ سے پناہ لی۔ اکبر نے کھنزاری منصب پر
 ممتاز فرمایا اور کچھ عرصہ بعد منصب دو ہزاری پر ترقی بخشی۔ یہ سردار اپنے نئے
 بادشاہ ہی کی خدمت میں مرا۔ ناظرین یہ برابر دیکھتے جائینگے کہ کس طرح اکبر کا
 حصول ہمیشہ ہی رہا ہے کہ اپنے دشمنوں کو عزت عمدہ صلہ دیکر اپنا کر لیتا تھا یہ
 کہ ان کو مایوس کر دے۔ اسکا مطلب تو یہ تھا کہ اتفاق بیٹھے اور کبھی پیدا ہو جاوے
 اسی لیے وہ مغلوب کے ساتھ ہمیشہ رحمدلی کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ اسکی طاقت کو
 اپنی طاقت سے باہر نہیں رہنے دیتا تھا بلکہ اسے بھی اپنی ہی طاقت میں ملا لیتا تھا۔

جو شروع شروع میں اسکی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے تھے اُن پر یہ ظاہر کر دیتا تھا کہ اسکے فتح پا جانے پر یا اسکی اطاعت کر لینے پر کسی طرح ہماری توقیر میں کمی نہ ہوگی بلکہ آگے چل کر اس میں ترقی ہی ہوگی۔ اس اصول پر عمل کرنے کا حال خاص کر کے اسوقت معلوم ہوگا جب ہم اُن معاملات کا ذکر کریں گے جو اکبر نے راجپوتانہ کے راجاؤں کے ساتھ کیے تھے۔

سلطنت اکبری کے آٹھویں سال کے موسم بہار میں ایک دردناک واقعہ کا ابرا آسمان پر چھا گیا۔ ہم اوپر اس محبت اور عزت کا ذکر کر چکے ہیں جو اکبر کے دل میں اس خاتون کی طرف سے تھی جس نے بچپن میں اُسے دودھ پلایا تھا اور خرد سالی میں برابر اسکی نگہداشت کی تھی۔ بیرم کا بھی معاملہ بہت کچھ اسی کی صلاح پر عمل ہو کر ظہور میں آیا تھا۔ محل میں اکبر نے اُسکو بہت معقول جگہ دے رکھی تھی اور اسکے لڑکوں کو بھی بیش قرار عمدے مل گئے تھے۔ ان میں سے سب سے بڑے لڑکے کو اُن لوگوں کے عروج پر حسد ہوا جن سے وہ اپنے تئیں برتر سمجھتا تھا اور غالباً اسی کے مزاج کے آدمیوں نے اُسکو بھڑکایا بھی کہ اُس نے وزیر اعظم کو عین اس وقت کہ مسند وزارت پر بیٹھا ہوا تھا قتل کر ڈالا۔ اور پھر اکبر نے جو مہربانی اُسکے اور اُسکے خاندان والوں کے حال پر ہمیشہ مبذول رکھی تھی

اُس پر بخود سہ کر کے حرم سرا کے دروازہ پر اکٹھا ہوا۔ مگر ایسے کام میں اور ایسے آدمی کے واسطے اکبر رحم کرنا نہ جانتا تھا۔ قاتل کے ٹکڑے اڑا دوئے گئے اور بغض فیصل پر سے بچے کی خندق میں پھینک دی گئی۔ بن لوگوں نے اُسے خبر کیا تھا وہ اس خوف سے کہ مبادا ہماری سازش کا حال کھل جائے جتنا پنا بھاگ گئے۔ مگر کپڑے گئے اور اگر وہاپس بھیجے گئے۔ آخر کا خطا معاف ہو گئی۔ مجرم کی مان چالیس دن بعد اپنے اثر کے کی اس حسرت کے غم میں تمام ہو گئی۔

اس سے پہلے کچھ عرصہ تک پنجاب کے ایک حصہ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ اکبر کو کسی قدر تردد لاحق ہو گیا تھا۔ لکرون کی قوم جو عیشہ سے منفہ تھی اور جس نے کبھی دل سے منغل بادشاہوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی وہ ان احکام کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی جو اکبر نے ان کے ملک کے متعلق صادر فرمائے تھے۔ یعنی یہ کہ اکبر نے جو حاکم ان کے ملک کا نامزد کیا تھا اُس کو تسلیم کرنا۔ حاکم ماننے سے انکار کیا جاتا تھا۔ لکھ پنجاب کے اُس حصہ میں آباد تھے اور ان کی نسل اب تک وہیں آباد ہے (جو حال کے ضلع راولپنڈی کے شمال مشرق واقع ہے۔ اکبر نے اپنے احکام کی تعمیل کرنے کے لیے فوج بھیجی اور کچھ

مختصر سی جنگ و جدل کے بعد اس فوج نے سب اہل امن امان کرا دیا۔

لگرون کا سہوار قید ہو گیا اور ہنوز زیر نگرانی تھا کہ مر گیا۔ انسی طرح اکبر نے وہ شورشیں بھی فرو کیں جو کابل میں برپا ہو گئیں تھیں اور بہت مستعدی کے ساتھ اس سازش کا اندا دیا جو ہمایوں کے اس مقرب ابو المعالی نے کی تھی جبکہ جھوٹے وعدوں کو اکبر کئی دفعہ خاک میں ملا چکا تھا اور جواب حج مکہ سے واپس آکر کچھ گھنٹہ میں پھول گیا تھا۔ ایک اور ناراض امیر سے ساز کر کے ابو المعالی نارنول کے قریب شاہی فوج کے ایک دستہ پر آن پڑا اور اُسے تباہ کر ڈالا۔ اکبر نے اُسکے پیچھے فوج روانہ کی۔ ابو المعالی دُر کر کابل بھاگا اور وہاں سے بڑی معذرت کے خط اکبر کو لکھے۔ آخر کار سال آئندہ کے شروع ہی میں ابو المعالی بدخشان میں قید ہوا اور گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔

۶۴ھ کے موسم بہار تک اکبر نے اُن منصوبوں کی تکمیل کی غرض سے کوئی کارروائی نہیں کی جو اُس نے آلہ آباد کے پورب کی طرف کے ممالک میں مغلیہ حکومت قائم کرنے کے واسطے شہر رکھے تھے چنانچہ اس زمانہ میں اس مشرقی عمارت کی کبھی سمجھتے تھے عدلی خاندان کے ایک غلام کے قبضہ میں تھا اس غلام کو جو اکبر کے ایک سپہ سالار نے دھمکایا تو اس نے بادشاہ کو عرض کیا کہ

کہ میں اطاعت کو طیار ہوں۔ اکبر نے اپنے دوسرے قلعہ لینے کو بھیج دیا اور قلعہ
 انکے حوالہ ہو گیا۔ چنانچہ قبضہ ہو جانے سے خلع ننگمہ پور کی بھی راہ نکل آئی۔
 یہاں ایک رانی فرمانروا تھی جو چوڑا گڑھ کے قلعہ میں دربار کیا کرتی تھی۔ مغل
 سپہ سالار اس پر چڑھ کر گیا اور میدان میں شکست دی اور ننگمہ پور اور اس
 ضلع کا کچھ حصہ جواب ہوشنگ آباد کھلاتا ہے عہداری شاہی میں شامل کر لیا۔ اُنہی
 سال گرمیوں کے موسم میں اکبر شکار کے بہانے وسطی اضلاع کی طرف
 روانہ ہوا۔ وہاں برسات نے آیا اور کسی قدر وقت کے ساتھ چڑھی ہوئی
 ندیوں کو عبور کر کے زور پہنچا کہ یہ شہر اُس زمانہ میں بہت اچھی حالت میں تھا
 اور میں میل کے محیط میں آباد ہونے پر ناز کرتا تھا۔ کچھ دن اس شہر کے
 قرب وجوار میں شکار کھیلتا رہا پھر مالوہ کی طرف بڑھا اور راوا دس رنگ پور ہوتا
 ہوا اس مشہور مقام مانڈو پر پہنچا جو موت سے ۲۶ میل جنوب جنوب و مغرب
 واقع ہے۔

مانڈو کا حاکم اکبر ہی کا مقرر کیا ہوا ایک اڈک امیر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسباب
 ایسے ہو گئے ہیں کہ بادشاہ مجھ سے ناراض ہے۔ بادشاہ نے اس سے مخاطب
 رکھنے کو کھلا بھی بھیجا تھا مگر اُس نے اعتبار نہ کیا اور جب اکبر قریب آن پہنچا تو شہر

چھوڑ دیا اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر میدان میں آگیا۔ اکبر نے فوج بھیجی اور وہ گجرات کی آخری حد تک اُسے کھدیر لے گئی اور اُسکے گھوڑے ہاتھی اور ہیکمات سب چھین لیں۔

اکبر کی ماٹھوین بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ قرب و جوار کے اضلاع کے زمینداروں نے جوق جوق آکر نذرین پیش کیں اور وہاں سے کسی قدر فاصلہ پر جو مقام خانہ میں ہے وہاں کے بادشاہ نے خیر مقدم کرنے کو سفارت بھیجی۔ اکبر سفیر کے ساتھ باعزاز و اکرام پیش آیا۔ اس وجہ سے کہ اس زمانہ کے دستور کی ایک خاص بات اس سے ظاہر ہوتی ہے یہ واقعہ بھی لکھنے کے قابل ہے کہ جب اکبر نے سفیر کی رخصت کا دربار منعقد فرمایا تو اُسکے مالک کے نام ایک فرمان بھی لکھ کر دیا کہ اپنی ایک بیٹی کو جسے بادشاہ کے قابل سمجھتے ہو ماٹھوین پہونچا دو۔ مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مبارک شاہ فرمانروائے خانہ میں کو یہ پیامِ محبت فرجام پہونچا تو وہ بہت مغلوظ ہوا اور اپنی بیٹی کو مناسب حال حشمِ خدم و ساز و سامان جیز و دیگر حضور میں پہونچا دیا اور اسکو اتھلاے عنایت سمجھا کہ ایسا کرنے کی اجازت نصیب ہوئی۔ تھوڑے دنوں ماٹھوین و رکراکبر اجین سازگ پور سے سبیری نزد گوالیار ہوتا ہوا اگرہ واپس آگیا اس سال جاڑوں کے موسم میں اپنے

وقت کا بہت سا حصہ اضلاع گویا رین شکار کھیلنے میں صرف کیا۔

بہت کم مغربی سیاح ایسے ہونگے جو ہندوستان گئے ہوں اور اُس
 سنگ سنگ کے قلعہ کو عبرت کی نظر سے نہ دیکھا ہو جو اگرہ کی قابل دید عمارتوں
 میں سے ہے۔ اکبر کی تخت نشینی کے وقت اگرہ میں محض اینٹوں کا کوٹ بنا ہوا
 تھا جو بالکل برباد تھا اور پرانا ہو کر جا بجا سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ اکبر کا کچھ عرصہ
 سے ارادہ تھا کہ اس کھنڈ پر ایسا قلعہ تعمیر کرے جو ایک سلطنت کے فرمانروا
 کے قابل ہو۔ ۱۵۶۵ء میں موسم بہار کے نکلنے نکلنے اُسے نقشہ تجویز
 کر لیا اور ضروری احکام صادر فرمائے۔ یہ کام قاسم خان کی زیر نگرانی شروع
 ہوا کہ یہ ایک بڑا معزز افسر تھا اور اکبر نے اسے سہ ہزاری منصب پر ممتاز فرمایا
 تھا۔ آٹھ برس کی لگاتار محنت میں قلعہ بن کر طیار ہوا اور پچیس لاکھ روپیہ تعمیر میں
 صرف ہوا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ قلعہ سنگ سنگ کا بنا ہے اور یہ پتھر ان
 لوہوں کے حلقوں سے باہم ملائے اور جکڑے ہوئے ہیں جو انہیں سوراخ
 کر کے پہنائے گئے ہیں اور اسکی بنیاد ہر طرف پانی تک پہنچ جاتی ہے۔
 یہ سال ختم ہونے پایا تھا کہ اکبر کو ناگہانی مصیبت میں بہت جلد فیصلہ
 کرنے اور کام پر مستعد ہوجانے کی قابلیت کے اظہار کا موقع ملا۔ ہم اوپر

ذکر کر چکے ہیں کہ جب وہ ماٹر و گیا تھا تو شہر مذکور کا حاکم جو قوم اُذبک سے تھا
 ذکر کر باغی ہو گیا اور اکبر نے اُس کا تعاقب کرایا اور سزا کو پہونچایا۔ اُس باغی کے
 ساتھ بڑا و کچھ زیادہ سختی کا نہ تھا۔ تاہم دربار میں اور فوج میں جو اُذبک امیر تھے
 ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کو ہماری قوم سے نفرت ہے۔ تین چار نے
 مل کر یہ صلاح کی کہ بادشاہ کو سبق دینا ضروری ہے۔ اسی سال خزان کے
 موسم میں جو پور میں بغاوت ہوئی کہ دہان کے حاکم کو اُذبک لوگوں نے
 اپنی طرف ملا لیا تھا۔ اکبر نے دربار میں ہاتھیوں کا شکار کھیل رہا تھا کہ یہ خبر پہونچی۔
 فوراً اپنے سب سے ہوشیار سپہ سالار کو روانہ کیا کہ جو کچھ فوج موجود
 ہے اسے لیکر ہمارے وفادار افسروں کی مدد کو پہونچو۔ پیچھے سے ہم لو
 فوج جمع کر کے بھیج دیں گے۔ تقریباً دس دن بعد خود روانہ ہوا اور قنوج پہونچا
 بہان باغیوں کے ایک سرغنہ نے اطاعت قبول کر لی۔ دریا برسات کی وجہ
 سے چڑھا ہوا تھا دس دن تک اسکی طغیانی کم ہونے کے انتظار میں ٹھہرا رہا
 پھر یہ خبر ملی کہ جو سردار بغاوت کا بانی سبانی تھا وہ گھنٹو گیا ہے فوراً مختصر گرجی ہوئی
 فوج لیکر اس طرف بڑھا اور جو بیس گھنٹہ یک سخت سفر کر کے دوسرے ہی دن
 صبح کے وقت اس قدر قریب آئے کہ پہونچا کہ شہر نظر آنے لگا۔ جب آگے بڑھا تو

باغی ایسے سرپٹ بھاگے کہ بادشاہ اور ہمراہیوں کے گھوڑے جو اتنی بڑی منزل مار کر آئے تھے اور بالکل خستہ ہو رہے تھے اُن کا پیچھا نہ کر سکے باغیوں کے سردار نے تیزی کے ساتھ جو پنور کو مراجعت کی اور اپنے ساتھیوں کو لیکر نکالا اور زمین کے معبر پر کہ چھپر لکے مغرب و شمال و مغرب کے گوشہ میں چالیں میل کے فاصلہ پر واقع ہے دریا سے گھاگرا عبور کر کے وہیں انکڑے لے پڑا رہا۔ وہاں سے ان لوگوں نے بنگال کو آدمی بھیجے اور وہاں کے بادشاہ سے مردمانگی۔

اسی عرصہ میں ایک شاہی فوج جسکا سپہ سالار یہ چاہتا تھا کہ بغیر غزیری کے یہ جھگڑا رفع ہو جائے ان لوگوں کے سامنے پہنچ گئی۔ اُدھر ایک اور فوج جسکا سپہ سالار بڑا بگڑے دل اور جری آدمی تھا راجپوتانہ سے اس طرف کو بڑھتی چلی آتی تھی۔ جو معاملہ کی بات چیت صلح کل سپہ سالار نے شروع کی تھی وہ طے ہو چکنے ہی کو تھی کہ بگڑے دل سپہ سالار پہنچ گیا اور یہ ظاہر کر کے کہ یہ معاملہ سراسر دغا کا ہے لڑائی پر اصرار کیا۔ جو لڑائی ہوئی اُس میں شاہی فوج شکست یاب ہوئی اور بھاگ کر دوسرے دن پھر شیر گزمہ میں جمع ہوئی۔ اس جنگ کے ہونے سے پہلے اکبر باغیوں کی طرف سے جو صلح

کی بات چیت آئی تھی اُسکو منظور کچکا تھا۔ اور یہ شکر بھی کہ باغیوں کو ہماری فوج پر فتح نصیب ہوئی ہے نہ وہ اپنے ارادہ سے نہ ڈل گیا۔ اور یہی گمان کہ ”اُن کے تصور معاف ہو چکے ہیں“ اور اپنے امیرون کو لکھ بھیجا کہ دربار واپس چلے آؤ۔ پھر خود چنار کی طرف روانہ ہوا کہ قلعہ کے استحکام کی غرض سے کام بھی لگاؤ۔ مرزا پور کے جنگلوں میں ہاتھیوں کا شکار بھی کھیلے اور جن باغیوں کو مسلح ہونے کی حالت میں معافی دے چکا ہے اُنکی حرکات کا بھی نگران رہے۔ آزمودہ را آزمودن کی کیا ضرورت تھی۔ باغی سردار اپنی کامیابی سے پھول کر از سر نو بغاوت پر مستعد ہو گئے تھے۔ مگر اکبر نے اپنی فوجیں کچھ ایسی ہوشیاری سے تعینات کیں کہ اُنھوں نے مجبور ہو کر اطاعت کر لی اور پھر عواطف خسروانہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال میں شاہی سپہ سالاروں نے بہار میں قلعہ رہتاس تخی کر لیا اور بادشاہ اڑیسہ کے پاس جو سفیر گیا تھا وہ بہت سی نیکیاں تحائف لیکر واپس آیا۔

۶۶ ھ کے موسم بہار میں بادشاہ پھر آگرہ پہنچ گیا۔ اس ملک کے مورخ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ امن و امان میں بادشاہ کی بڑی خوشی یہ تھی کہ شام کا وقت چوگان بازی میں صرف ہوتا تھا۔ یہ چوگان وہی کھیل ہے جو آج کل

پولو کھلاتا ہے اور ہندوستان ہی سے یورپ میں پہونچا ہے۔ اکبر دن
میں تو اسی طرح کھیلتا تھا جس طرح آجکل ساری دنیا میں کھیلا جاتا ہے مگر ہندوستان
میں جو اندھیری راتیں بہت جلدی سے دن کے اُجالے پر غالب آجاتی ہیں
اس لیے رات کے کھیلنے کا بھی ایک طریقہ ایجاد کیا تھا۔ پلاس کی گیندیں
بنوائی تھیں اور انکو روشن کر لیا کرتا تھا۔ یہ لکڑی بہت ہلکی ہوتی ہے اور
دیر تک جلتی رہتی ہے۔ چوگان بازی میں اسکا نام تھا کہ بہت تیز دست
کھیلنے والا ہے۔

اکبر لاہور اور کابل میں بغداد سے رو جانے کی خبریں سن کر کابل کو روانہ
ہو شیار ہوا۔ آخر سال میں بڑی عجلت کے ساتھ تبلیج کی جانب بڑھا۔ دس دن
میں دہلی پہونچا۔ وہاں سے سر ہند روانہ ہوا۔ اور وہاں سے خوشی خوشی
لاہور آیا۔ یہاں پہونچا اپنے سپہ سالاروں کو روانہ کیا کہ باغیوں کو انڈس پار
بھگا دیں وہ لوگ اس حکم کی تعمیل کر کے واپس آگئے۔ کابل کی شورش بھی
اسی عرصہ میں فرو ہو گئی۔ مگر ادھر سے فرصت ہوئی تو اس طرف بادشاہ کے
شمال و مغرب میں اسقدر فاصلے پر چلے آنے کی بدولت جوہور میں بغاوت
ہو گئی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک کہ ۱۵۵۷ء کا خاتمہ تھا اکبر ہندوستان

میں مستقل حکومت قائم کرنے کے مسئلہ پر پوری کامیابی کے ساتھ حادی نہ ہو چکا تھا۔ جنگ پانی پت سے شکار کیجیے تو اسکی سلطنت کا گیا رہوان مال ختم ہو رہا تھا اور اب تک اُسے یہاں کی زمین میں جڑا سقد ر کم کڑی تھی کہ اگر کوئی ناگمانی حاشا ہو جاتا تو یقیناً سلطنت کا فیصلہ پھر مشیر ہی سے ہوتا۔ شروع ۱۵۷۶ء تک وہ برابر لاہور میں سیر و شکار میں مصروف رہا۔ یہ خبر ملتے ہی ہوشیار ہو کر اذہک سردار جنکو محافی دے چکا تھا اسکی غیر حاضری کا موقع پا کر پھر باغی ہو گئے۔ چنانچہ ۲۲۔ مارچ کو لاہور چھوڑا اور اگرہ کو مراجعت کی۔ تھا فیر صوبہ سرسبز دین ہو چکا اُسے ہندو فقیروں کے دو فرقوں یعنی جوگیوں اور سینا سیوں کی لڑائی میں بڑا لطف آیا کہ یہ اس سونے اور جواہرات اور دریشمی کپڑوں کے چڑھا دے کے لینے کے واسطے لڑتے تھے جو غرض اعتقاد جاتریوں نے یہاں کے مندر میں لا کر چڑھایا تھا۔ دہلی میں بادشاہ کو اپنی سلطنت کی بے ثباتی کی ایک اور علامت دکھینی تھی۔ یہ معلوم ہوا کہ ایک شاہی قیدی باوجود حاکم دہلی کی نگہداری کے نکل بھاگا اور حاکم مذکور نے عتاب شاہی کے خوف سے شہر چھوڑ دیا اور بغاوت بہر کرتہ ہو گیا اگرچہ پہنچ کر بھی کچھ اطمینان دینے والی خبریں سننے میں نہیں آئیں۔ قنوج کے پاس کا ملک بغاوت کی حالت میں تھا اور اگر خوب جانتا تھا کہ اُسکے بہت سے

سردار بھروسے کے قابل زمین ہیں۔ اس نازک وقت میں وہ بھوجپور ضلع سے بریلی گیا اور وہاں سے ملے بریلی آیا۔ یہاں آکر یہ سنا کہ باغی کالپی کی طرف بڑھنے کی نیت سے لنگا اترے ہیں۔ بارش سخت ہوئی تھی۔ ندی نیلے چڑھے ہوئے تھے لہذا کوئی اپنے کام کی دھن بندھی تھی اپنی بڑی فوج تو کڑا روانہ کی اور خود تھوڑی سی چیدہ فوج لیکر بھجولت تمام مانیکپور روانہ ہوا کہ یہ مقام آکر آباد اور پر تاب گڑھ کے بیچوں بیچ میں واقع ہے۔ یہاں ہاتھی پر سوار ہو کر دریا اُترا اور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر باغیوں کو موضع مانیکپور میں چالایا اور شکست فاش دی۔ اس بغاوت کے بڑے بڑے سرغنہ لڑائی میں یا اُسکے بعد مارے گئے۔ میدان جنگ سے اکبر آکر آباد کی طرف روانہ ہوا کہ اس زمانہ میں یہ مقام اپنے قدیم نام پرگ سے مشہور تھا پھر بنارس اور جوبنور میں جا کر ملک میں تسلط بٹھایا اور پھر اگرہ واپس گیا۔

اب جو اپنی مشرقی عملداری کو محفوظ پایا تو اکبر راجپوتانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ مغربی ہندوستان کے اس بڑے حصہ ملک میں سب سے قدیم فرمانروا دے سنگھ رائے میواڑ تھا۔ اُسکا مزاج ایسا تھا کہ کمزوری اور انتہا درجہ کی ضدائیں پائی جاتی تھی۔ اُسکا بڑا مانس جیور کا وہ مشہور قلعہ تھا جسکو ملار الدین خلجی نے البتہ ایک مرتبہ فتح کیا تھا۔ مگر اب پھر یہی شہرت تھی کہ یہ قلعہ ناممکن التسلیم ہے۔ قلعہ بنارس

فتح سے گرجوئی کے ساتھ مقابل ہونے پر آمادہ ہوئے۔ اس مقام اور شکار
کے درمیان میں اتنا ہی فاصلہ تھا چٹنے فاصلہ پر کوٹا اڑا کر نہا ہے مگر صرف
دریا پنج میں جا لیا تھا۔

مشلون کی روشنی میں اکبر نے آسانی سے راجپوتوں کے سیناپت کو
پہچان لیا اور سمجھ کر کہ وہ ٹھیک فاصلہ پر آگیا ہے نشانہ لگایا اور وہ جہان کا تہا
ٹھنڈا ہو گیا۔ اس موقع کے نشانہ نے جو ایسے وقت میں پڑا کہ دشمن ایک
دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے راجپوتوں کو ایسا بیدل کر دیا کہ اس نزدیک وقت
میں انھوں نے حملہ کو بہت ہی معمولی طور سے روکا۔ نیچھے سے وہ سنبھلے بھی مگر
دیر بہت ہو چکی تھی۔ بہتیری کوشش کی مگر جرات ہاتھ سے جا چکی تھی وہ پھر نہ
آئی۔ دن نکلتے نکلتے قلعہ اکبر کے قبضہ میں آگیا۔ اس فتح کے شکرانہ میں اکبر
نے اس منت کو پورا کیا جو اُسے محاصرہ شروع کرنے سے پہلے مانی تھی اور
پاپا و دیمین الدین چشتی سیدانی کے روضہ کی زیارت کے واسطے گیا۔
مروج ہندوستان کے سب سے پہلے مسلمان فقیر تھے اور روضہ مبارک
جمیر کی پہاڑی کے اوپر بنا ہوا تھا۔ اب تک اکبر اپنی ابتدائے تربیت کے
اتر سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ دس دن تک جمیر رہا۔ وہاں سے میوات ملوایا

اگر وہ واپس آیا۔

اکبر نے بہار اور برسات اگر وہ بین کاٹی۔ پھر جے پور کے مستحکم قلعہ رتھنبور کے فتح کرنے پر مایل ہوا۔ مگر فوج اس مہم کے لیے مقرر کی تھی وہ ابھی راستہ ہی میں تھی کہ گجرات میں ہنگامہ ہونے اور اس طرف سے وسط ہندوستان پر حملہ ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور اکبر کو اپنی فوج اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے واپس بلا لینے پڑی۔ تب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ بذات خاص ایک اور فوج لیکر لیٹا کر کرے چنانچہ سال آئندہ کے شروع میں ایسا ہی کیا۔ قلعہ کو تسخیر کر کے اُسے پانوں اگر وہ واپس آیا۔ راستہ میں خواجہ صاحب کے روضہ کی زیارت کے واسطے ایک ہفتہ اہلبتہ ٹھہر گیا۔ اسی سال اکبر نے فوج پور سیکری کی بنیاد ڈالی کہ جسکی شاندار خرابی آج تک سیاحون کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ مصنف طبقات نے اسکا قصہ یوں لکھا ہے کہ اکبر کے دولہے کے توام پیدا ہوئے تھے اور دونوں میں سے ایک ابھی زندہ نہ رہا۔ شیخ سلیم چشتی نے کہ سیکری میں (جو اگر وہ سے ۱۲ میل جانب جنوب و مغرب واقع ہے) افاست گزین تھے اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا اور تمھارے بعد تک زندہ رہے گا۔ اس وعدہ کے پورا ہونے کی امیدیں اکبر رتھنبور سے واپس آکر کئی مرتبہ شیخ کی زیارت کو گیا اور ہر دفعہ دس میں دن

قیام بھی کیا۔ بالآخر ایک بلند مقام پر ایک محل تعمیر کرایا اور شیخ نے اُس محل شاہی کے پاس ایک نئی خانقاہ اور نفیس مسجد طیار کرانی شروع کی۔ امرے دربار کو بھی تقلید کا جوش ہوا اور اپنے اپنے لیے مکان بنوانے شروع کر دیے۔

ابھی محل طیار ہی ہو رہا تھا کہ اکبر کی ایک بیوی حاملہ ہوئی اور وہ اسی شیخ کے مسکن پر پڑ گیا۔ جب آگے چل کر گجرات فتح کیا تو اس مبارک شہر کے نام کے پہلے فتحپور اور اضا فذ کیا۔ تب سے تاریخ میں اس مقام کا نام فتحپور سیکری ہی مذکور ہے۔ اسی سال کے آخر میں شیخ کے مسکن پر کہ بیوی کو پہلے سے سیکری میں بھیج رکھا تھا وہ لڑکا پیدا ہوا جو تاریخ میں جہانگیر بادشاہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ نام اُسکا شیخ کے نام پر سلیم ہی رکھا گیا تھا۔ اسکی ماں جو دھپور کی رانی قوم راجپوت سے تھی۔ اس واقعہ کی یادگار میں اکبر نے فتحپور سیکری کو مستقل شاہی قیام گاہ بنادیا۔ پتھر کی فصیل چاروں طرف گھر وادی اور چند اور عمدہ عمارتیں تعمیر کرائیں۔ پھر اکبر بارتانی اجیر کی پہاڑی پر خواجہ صاحب کے روضہ کی زیارت کو پایادہ لایا اور وہاں آستانہ بوس ہو کر دہلی روانہ ہوا۔

سال آئندہ کے شروع ہی میں اکبر راجپوتانہ کی طرف روانہ ہوا اور ریاست جو دھپور میں بمقام ناگور مقام کیا۔ یہاں اس راج کے راجہ کے بیٹے نے اطاعت قبول کی

اس زمانہ میں نہیں راجہ راجپوتانہ میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ پھر بیکانیر کے راجہ اور اسکے بیٹے نے بھی ہمیں اگر اطاعت قبول کی۔ اور اکبر نے بغرض اظہارِ عقائد و فاداری راجہ بیکانیر کی لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ کچھ دنوں ناگور میں گور خزا کا شکار کھیلتا رہا کہ اُس زمانہ میں وہاں کثرت ہوتے تھے۔ پھر پنجاب کی طرف دیپال پور کو روانہ ہوا۔ پنجاب کے معاملات طے کر کے اس ارادہ سے فوج پور کی آیا کہ آئندہ سال تخیر گجرات میں صرف کیا جائے۔

اکبر کے زمانہ میں مغربی ہندوستان کے صوبہ گجرات میں اضلاع سورت بروج کیر احمد آباد بھی شامل تھے۔ اور اب جو ملک بڑودہ کہلاتا ہے اسکا بہت بڑا حصہ اور وہ سب ممالک جو اب ریوا کا تھہ اور ماہی کا تھہ ہو گئے ہیں اپنی جگہ پالن پور اور ادھن پور ولسنا وکھبات وکھانڈیہ وجزیرہ نلے کاٹھیا وارب اسی صوبہ میں شامل تھے۔ اس پچھلے ملک میں عرصہ سے کوئی حقدار مالک تھا نہ ضلع ضلع الگ ہو رہا تھا اور ہر ایک میں ایک مسلمان سردار جو رعایا کی زیادہ تعداد سے بیگانہ ہوتا تھا فرمانروائی کرتا تھا۔ سارے ملک میں برابر خانہ جنگیاں ہوتی رہتی تھیں اور سردار لوگ اپنے واسطے اعلیٰ رتبہ حاصل کرنیکی کوشش میں گمان بیچاروں کو پیسے ڈالتے تھے۔ کبھی کبھی کسی قریب کے صوبہ کی کمزوری کی

خبر سکر سردار جوش میں آجاسوتے اور متفق ہو کر عارضی یونین کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات بد عملی کا مرکز ہو رہا تھا۔ رعایا پر ظلم ہو رہا تھا اور چھوٹے چھوٹے ظالم فرمانروا جو ان پر حکومت کرتے تھے وہ دوسروں کو تباہ کر کے اپنا بھلا کر سکی فکر میں رہتے تھے۔ اکبر عرصہ سے اس بد عملی کے نتائج کو سمجھ رہا تھا اور اب اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس حالت کا خاتمہ کر دے۔

گجرات کی یلغار اکبر کی سلطنت کی سب سے زیادہ مشہور جنگی مہم ہے۔ وہ اس بات پر تیار ہوا تھا کہ اسکی ترتیب دینے میں یا مکمل کو پہنچانے میں کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔ جب سے ہندوستان کا فرمانروا ہوا یہ پہلا مرتبہ تھا کہ اُسکو اپنے امرا و اہستگان کے طرز عمل سے اس بات کا پورا اطمینان ہو گیا تھا کہ انڈیا جو عرصہ اس مہم کے سر انجام میں لگے گا اُس میں انکا کام ٹھیک ٹھیک ہوگا۔ ستمبر ۱۵۷۲ء میں اپنی فوج لیکر فتحپور سیکری سے روانہ ہوا اور سنگانیر (جے پور سے بیس میل جانب جنوب) ہوتا ہوا وسط اکتوبر میں اجمیر پہنچا۔ دو دن وہاں روضہ کی زیارت کی غرض سے قیام کیا۔ پھر دس ہزار سوار بطور ہراول لگے بھیج دیے کہ راستہ کا حال معلوم کریں اور باقی فوج لیکر پیچھے سے خود بھی بڑھا اور ناگور آیا کہ یہ مقام چودھوڑ سے پچھتر میل جانب شمال و مشرق واقع ہے۔

ناگور پہونچا تو ہرکارہ اس شہزادہ کی ولادت کی خبر لایا بعد میں شہزادہ وانیال کے نام سے موسوم ہوا چودہ دن تک تو اکبر اپنی فوج کے واسطے رسد کا انتظام کرتا رہا پھر آگے بڑھا اور ماہ نومبر میں دریائے سہستی کے کنارہ مقام پٹن پر پہونچا اور اگلے مہینہ کے شروع میں احمد آباد پہونچ گیا۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان کے سفر کی حالت میں اس سردار نے اطاعت کر لی جو گجرات کا حاکم علی ہونے کا دعویدار تھا مگر حکومت محض برائے نام رکھتا تھا۔ احمد آباد میں جو اُس زمانہ میں گجرات کا اول نمبر کا شہر تھا اکبر کا ڈنکا مغربی ہندوستان کے بادشاہ کے نام سے بجا۔

مگر ابھی بہت سے چھوٹے چھوٹے والیان ملک سے جھگڑتا باقی تھا کیونکہ کوئی بھی اپنے اختیارات کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ برج بڑودہ و سورت کے فرارزوا بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ احمد آباد میں امن و امان قائم کرنے کے بعد ہی بادشاہ کھمبات روانہ ہوا اور پانچ دن میں وہاں جا پہونچا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ یہاں پہونچ کر اکبر نے پہلی مرتبہ ہندو دیکھا۔ تقریباً ہفتہ بھر یہاں ٹھہرا رہا۔ پھر وودن میں بڑودہ پہونچا یہاں کرلک کے انتظام کا ڈھنگ ڈالا اور احمد آباد کو دارالسلطنت قرار دیکر اگر سے جو سردار ساتھ گئے تھے ان میں سے ایک کو حاکم مقرر کیا اور یہیں سے

برہمچ و سورت پر تسلط کرنے کے لیے فوج بھیجی تھی۔ خبر یہ ملی کہ برہمچ میں جو شخص غلام
کا بڑا طرفدار تھا، والی برہمچ اسے قتل کر کے ملک کے اندر دینی حصہ میں آیا ہے
اور بڑودہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر گزر رہا ہے جو کچھ رہی سہی فوج موجود
تھی اُسے لیکر اکبر فوراً اُسکے پیچھے حبیبپور دوسری ہی شب کو اس قدر قریب پہنچ گیا
کہ اُسکا لشکر چار سو سا میں ایک چھوٹی سی ندی کے دوسرے کنارہ پر پڑا ہو
تھا نظر آنے لگا۔

اکبر کے ساتھ اس وقت صرف چالیس سوار تھے اور چونکہ دریا پایاب تھا
اُس نے یگوشتش کی کوجب تک نہ دیا تب اسے میرے آدمی چھپے رہیں۔ سائے
جو ان رات کے وقت پہنچے اور اب جو اکبر کی فوج کی تعداد سو ہو گئی تو اکبر
اپنی فوج سے دس گنی فوج پر حملہ کرنے کے لیے دریا اُترا۔ باغی سردار نے
بجائے اُسکے کہ شہر میں حملہ کا انتظار کرے کھلے میدان کا رخ کیا تاکہ اپنی کثیر تعداد
فوج سے اچھی طرح کام لے سکے۔ اکبر نے دھاداکر کے شہرے لیا اور پھر
وہاں سے تعاقب میں بڑے حاکمران اطراف میں پتلی پتلی شترکین بہت کثرت سے
تھمیں اور اُنکے دونوں طرف ہاتھی چنگھار کی جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ اکبر کے
سوار بہت کر ایسی جگہ آ گئے تھے کہ صرف تین سوار ایک ساتھ مقابل ہو سکتے تھے

کیونکہ جہاز یون کے دونوں طرف غنیم تھے۔ بادشاہ اپنے سواروں کے آگے آگے تھا اور راجہ بھگواند اس جانب ازراچوت جلی بہن سے اکبر نے شادی کرنی تھی اور اسکا ہونہار ولیعہد بھتیجا مان سنگھ جو اس زمانہ میں سب سے بڑا ہوا سوار تھا دونوں بادشاہ کے ساتھ تھے۔ یہ تینوں کے قینوں بڑے سخت نظرہ میں تھے کیونکہ غنیم بہت زور شور سے ان پر حملہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ مگر وہی ہاتھی چنگھاڑ کی جہاز یان جواب تک انکی ترتیب میں سدر اٹھیں اب ایسی پناہ کا کام دینے لگین کہ غنیم کو عبور کرنا محال ہو گیا۔ بھگواند اس نے فریق مخالفت کے ایک بڑے سربراہ اور دد افسر کا اپنی برجھی سے کام تمام کر دیا اور اسکے بھتیجے اور اکبر نے دو کا اور فیصلہ کر دیا۔ غنیم کے لشکر میں ایک لمحہ کے لمحہ بتری رہی اس سے یہ موقع مل گیا کہ تینوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ اکبر کے جہاننازون کی مایوسی کے وقت کی دلیری کو اپنے بادشاہ کو خطرہ کی حالت میں دیکھ کر وہ بھی زرقی ہوئی اور غنیم کو بجائے گتے ہی بن آئی۔ باغی سردار کے لشکر والوں کو جو معلوم ہو گیا کہ ہار چاری ہی ہوئی ہے تو اکبر کے سپاہیوں کی سی مستعدی اور منتقل فراہمی باقی نہ رہی۔ جسے جب موقع پایا بھاگ بھلا۔ اور باغی سردار لشکر یون کے اس طرح چھوڑ کر چلے جانے پر خود بھی جس طرح بن پڑا بھاگ کھڑا ہوا اور احمد آباد و ولیمہ ہوتا ہوا

راجپوتانہ میں سر دہی کو چلا گیا۔

اسی عرصہ میں برج بھی زیر ہو گیا تھا اور اب محض سورت باقی تھا۔ اس شہر پر جو اکبر کے بیٹے اور پوتے کے وقت میں انگریزی تاجر پیشہ لوگوں میں بہت زیادہ مشہور رہا ہے اکبر اس محم سے واپسی کے بعد جبکا ابھی ذکر ہوا ہے بذات خاص لیٹا لیکر گیا۔ شکاف ڈالنے کا جو معاملہ اس زمانہ میں رائج تھا اس کے لیے تو سورت بہت زیادہ مضبوط تھا۔ مگر بادشاہ نے محاصرہ تنگ کیا اور ایک مہینہ سترہ دن صبر کرنے کے بعد محصور قلعہ والوں نے عاجز آ کر اطاعت کر لی۔ اکبر صوبہ گجرات کے معاملات کو رو بہ راہ کرنے کی غرض سے عرصہ تک یہاں ٹھہرا رہا اور پھر مراجعت کی۔ اس محم میں تقریباً نو مہینے باہر رہ کر ۳۴ رجون ۶۱۵ کو اگرہ واپس آگیا۔

جبکہ اکبر سورت کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا وہ باغی سردار جو سرسایت شکست کھا کر سر دہی بھاگ گیا تھا اب پھر شرارت کرنے کو ہاتھ پاؤں مار رہا تھا ایک اور طاقت ور سردار اسکے ساتھ ہو گیا تو یہ پائٹن کی طرف بڑھا اور وہاں بادشاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اس فوج کو تو اس نے سرسایت شکست دے دی وہی تھی گرا سکی اپنی فوج جو لوٹ پرتھو بک پڑی تو مغلیہ فوج پھر سنبھل گئی اور غنیمت کے

قلب میں داخل ہو کر شکست کو فتح سے بدل دیا۔ اکبر ہنوز سورت کے سامنے
 پڑا ہوا تھا کہ اس کا زگزاہی کی خبر ملی۔ باغی سردار اب تک اسی پر تلا ہوا تھا کہ
 جو شرارت اُسکے ارکان میں ہو اس سے باز نہ رہے چنانچہ راجپوتانہ پہلے کپڑا
 پہنچا۔ راستہ میں دو تین جگہ شکست بھی کھائی۔ مگر اپنی جان ہر دفعہ سلامت
 نکال لے گیا اور راستہ میں پانی پت سون پت اور کرناں کو لوٹا۔ چنانچہ سون
 بادشاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ شکست کھائی۔ اور کچھ اور وردماں سمیت تین چھیلنے
 کے بعد ملتان کے قریب کچھ ماہی گیروں کے ہاتھ سے زخمی ہوا اور اسی زخم
 کی وجہ سے وفات پائی۔ یہ خوب حس کم جان پاک ہوا کہ آدمی پہنچا تھا۔ یہاں یہ
 ذکر بھی مناسب ہو گا کہ مغلوں کی فوج نے اسی سال جالندھر و آب کے قلعہ کا گڑھ
 کے لینے کی بھی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ فوج مذکور نے محاصرہ کر کے
 اہل قلعہ کو عاجزی کی نوبت کو پہنچایا ہی تھا کہ اس منہجہ سردار کے حملہ کی وجہ سے
 یہاں سے الگ ہونا پڑا جبکہ ملتان میں وفات پانے کا ذکر پہنچے اوپر لکھا ہے۔
 اکبر کے بیٹے کی سلطنت ہونے سے پہلے کا گڑھ مغلوں سے زیر نہ ہوا۔

اکبر نے گجرات چھوڑا تھا تو اس خیال سے کہ اس ملک میں پورا تسلط بیٹھ گیا
 ہے اور میں نے جو جو کام کیے ہیں ان سے رعایا کو مجھے بھروسہ اور میرے ساتھ

اکس ہو گیا ہے۔ گرائے اس بات پر کافی توجہ نہیں کی تھی کہ جو لوگ ایک دفعہ
 برسر حکومت رہ چکے ہوں اُنکے دلوں میں حکومت کی محبت کس درجہ راسخ ہو جاتی
 ہے۔ ابھی اسے اگر دئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اس ملک
 کے بے دخل شدہ رئیسوں نے فوجیں جمع کرنی شروع کر دیں اور ملک میں
 اتاری ڈالنے لگے۔ اس فساد کے غنجہ کو شگفتہ ہونے سے پہلے ہی توڑ پھینکنے
 کی نیت سے اکبر نے مغربی ہند پر دوسری یلغار کرنے کی طیاری کی اور اپنی
 فوج کو اُسکے بھیجا اور ستمبر کے مہینہ میں ایک دن اتوار کو صبح کے وقت ایک
 باورقار ساڈنی پر سوار ہو کر غوثی اُس میں شامل ہونے کی عرض سے روانہ
 ہوا۔ ستر میل تک ہم نہ لیا اور ٹونڈہ پہنچا کہ یہ مقام جے پور اور اجمیر کے
 اقرب اقرب بیچ میں واقع ہے۔ تیسرے دن صبح کو اجمیر پہنچا۔ اور
 حسب دستور روضہ مبارک کی زیارت کر کے شام کے وقت گھوڑے پر سوار
 ہو کر پھر چلا اور دیسہ کے راستہ میں بالی پر اپنی فوج میں داخل ہو گیا۔ پاٹن کے
 پاس کچھ فوج اور مل گئی کہ یہ اُسکے اُن فوجی افسروں نے جمع کی تھی جو بادشاہ کے
 انتظار میں آگے نہیں بڑھے تھے اور یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔

باغی سرداروں نے جو فوج بھرتی کی تھی اُسکے مقابلہ میں اکبر کی فوج کی

تعداؤں میں کسی گڑبختی آدمی تھے وہ اسکی فوج کی جان بچاتے تھے۔ اور اس سرعت کے ساتھ سفر کرنے سے اور بھی اسکا کام بن گیا تھا۔ باغیوں کو ابھی یہ خبر بھی نہیں پہونچی تھی کہ وہ اگرہ سے روانہ ہوا ہے کہ وہ اُنکے پاس پہونچ گیا۔ یہ لوگ ابھی احمد آباد میں اپنے خیموں میں سو رہے تھے کہ اکبر جسے نو دن میں اگرہ سے یہاں تک کا سفر طے کیا تھا ان کے سر پر آن پہونچا۔

یہ امر کہ اس زمانہ میں بھی شان سپہگری کوئی چیز تھی ایک ہندوستانی مونیخ مصنف طبقات اکبری کے ان فقرہوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی فوج والوں کو خیال تھا کہ یہ مردانگی کے خلاف ہے کہ دشمن پوچھنے جا پڑیں اسلیے ہم غنیمت کے بیدار ہونے تک اور صبر کریں گے۔ چنانچہ فرما چوں کو قرنا پھونکنے کا حکم دیا گیا باغیوں کا سرغنہ جبکہ جاسوسوں نے چودہ دن پہلے بادشاہ کے اگرہ میں بیٹھی خبر پہونچائی تھی اب تک یہی کہتا تھا کہ مجھے تو پورا یقین ہے کہ یہ سوار جو ہمارے سامنے ہیں یہ شاہی فوج کے نہیں ہیں کیونکہ اُنکے ساتھ ہاتھی تو ہیں ہی نہیں۔ بہر حال لڑائی کی طیاری ہوئی۔ بادشاہ نے پھر آن سپہگری دکھلائی اور غنیمت کے طیارہ بوجانے تک اور صبر کیا پھر دریا میں اتر پڑا اور پار اتر گیا اور دوسرے کنارہ پر اپنی فوج کو ترتیب دیکر شیرازیان کی طرح غنیمت پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ مغلیہ فوج

کا دوسرا دستہ پہلو پر اگر گرا۔ یہ ہندو سنبھالے نہ سنبھلا۔ باغیون کو پوری شکست ہوئی اور انکا سردار زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ گھنٹہ ہی بھر بعد ایک اور لشکر غنیم کا پنہنرا کی تعداد کا نظر آیا۔ اسکا بھی فیصلہ ہو گیا اور سردار مارا گیا۔ جنگ اور تعاقب میں باغیون کے تقریباً دو ہزار آدمی کام آئے۔ پھر اکبر احمد آباد کی طرف بڑھا۔ پانچ دن بیان ٹھہر کر آرام کیا اور تحقیق کو انعام تقسیم کرنے اور ملک کی مستقل حفاظت کا انتظام کرنے میں مصروف رہا۔ پھر ضلع کیر کے قصبہ محمود آباد کو روانہ ہوا اور وہاں سے سردی آیا۔ سردی سے یہاں جمیر گیا وہاں مشہور روضہ مبارک کی زیارت کر کے رات دن چل کر جے پور سے تقریباً چودہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں مقام کیا۔ وہاں راجہ ٹوڈرل جو اس کے سب سے قابل افسروں میں تھے اور بعد میں دیوان ہو گئے تھے پہلے سے موجود تھے۔ اُن سے مالگزاری گجرات کی دھونی کی تدبیروں کی بابت مشورہ کیا۔ اس گاؤں سے بادشاہ سید فتحپور سیکری روانہ ہوئے اور ۳۴ دن باہر رہ کر خوشی خوشی فتحپور کے ساتھ واپس پہنچ گئے۔

اکبر کے کل ہندوستان کو اپنے زیر نگین کر لینے کے منصوبہ کی اب اس حد تک تکمیل ہو گئی تھی کہ اپنی سلطنت کے اٹھارہویں ہی سال وہ شمال مغربی وسطی

دوسری ہندوستان کا فرازداد تھا اور پنجاب اور کابل بھی اسی کی عملداری میں شامل تھے۔ مشرق جانب کرمانشاہی کے کنارہ تک اکبری کی عملداری تھی۔ اس ندی کے کٹے بنگال اور بہار کے صوبے البتہ خود سر تھے اور خاص خاص حالتوں میں اس طرف سے خطرہ کا اندیشہ تھا چنانچہ اسے مستحکم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر کوئی ناگہانی مصیبت نہ آجائے تو اپنی سلطنت کا اسیوان سال بنگال و ریاستہاں سب بچ گزرا۔ بنگال کی تسخیر میں صرف کرے۔ مگر اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے اکبر جمیر کی پہاڑی پر خواجہ صاحب کے مزار کی زیارت کو پھر گیا تھا۔

ہم نے اس طرف اکبر کی چڑھائیوں اور اسکی فوج کے بڑھنے کے حالات بہت لکھے ہیں مگر اب تک ہم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ چڑھائیاں کس اصول پر ہوتی تھیں۔ اب تک ایسے لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے ان جنگ آزمائوں کو دیکھا ہے جو لڑائی ہی سے لڑائی میں مدد دیتے تھے۔ خراسانی اور افغانی و شیون نے جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانہ میں ہندوستان پر حملہ کیا تو ان لوگوں نے بھی اسی اصول سے کام لیا تھا۔ مگر اکبر کا اصول یہ نہ تھا۔ وہ لڑائی کا مخالف تھا۔ سوائے اس صورت کے کہ جو عمارت وہ بنارہا تھا اسکی تعمیر کے لیے ضروری ہو۔ کیونکہ وہ خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اگر اس تعمیر میں کسر رہ گئی تو یہ ناپائدار ہوگی

اور باد مخالف کا پہلا ہی جھونکا اُسے اُٹھا اڑھینیکا۔ اس لیے وہ یہ احتیاط کرنا
تھا کہ اُسکے یلغارے جانے یا اسکی فوجوں کی چڑھائیاں کرنے سے زمینداروں
اور کاشتکاروں کو مضرت نہ پہونچے۔ اس منشا کو پورا کرنے کی غرض سے اُسنے
یہ حکم دیدیا تھا کہ جب کوئی خاص قطعہ زمین کا پڑاؤ کے لیے تجویز ہو جائے تو اس
پاس کی اراضی کی حفاظت کے لیے پہرہ بٹھا دیا جائے۔ اسکے علاوہ عامل مقرر
کیے تھے کہ اُنکا یہ کام تھا کہ فوج کے چلے جانے کے بعد پڑاؤ کی زمین کا سائن
کرین اور جو کچھ نقصان ہوا ہو اسکی رقم مطالبہ مالگزار کی سرکاری سے منہا کر دین
مصنف طبقات اکبری یہ بھی لکھتا ہے کہ اس دستور کا وہ سب لڑائیوں میں پابند
رہا اور کبھی کبھی تو روپیوں کی پھیلیاں بھی سعا نہ کرنے والوں کو دیدی جاتی تھیں کہ
غوراً غمینہ کر کے رعیت اور کسانوں کو بیابان کر دین تاکہ مالگزاری وصول کرنیوالوں
سے کچھ جھگڑا نہ پڑے۔ اس طریقہ سے (جو سب بڑی بڑی باتوں میں ان مغربی
لوگوں کا طریقہ ہے جو مغلوں کے بعد اس ملک کے فرمانروا ہوئے) لڑائی
کا خوف اُن لوگوں کے دلوں سے نکل جاتا تھا جنکی زمین پر جو کچڑھائی کرنا
ضرورت پڑتی تھی۔

اکبر جو بارہویوں کے لیے امیر میں خواجہ صاحب کی درگاہ کی زیارت کو

کیا ہوا ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُسے وہیں چھوڑیں اور ذری کی ذری بنگال اور
 بہار کے معاملات کی حالت پر ایک نظر ڈال جائیں۔

جس زمانہ میں مغلوں نے ممالک مغربی و شمالی کو پھر فتح کیا ہے بنگال اور
 بہار کے اقبال بادشاہ نے کہ وہ وہ دونوں ملکوں کے تخت مشترک پر
 بیٹھا ہوا تھا کچھ عرصہ بعد اکبر کی برتری کا اعتراف بذریعہ تحریر کر لیا تھا۔ مگر یا عہد
 محض کا غدی تھا اور کاغذی ہی رہا بھی۔ نہ کبھی کوئی خرچ ادا ہوا نہ کوئی نذر بھی گئی
 جب اکبر گجرات کی دوسری محکم میں مصروف تھا اسی زمانہ میں اس بادشاہ کا انتقال
 ہو گیا۔ اُسکا بیٹا جو وارث اور مستحق جانشینی تھا اُسے سرداروں نے فوراً قتل
 کر ڈالا۔ یہ سردار اگرچہ کل دربار کا ایک جزو ہی تھے مگر بہت ذی اختیار جزو تھے
 چنانچہ انھوں نے اُسکے چھوٹے بھائی داؤد خان کو تخت پر بٹھادیا۔ مگر داؤد
 ہوو و لعب میں مصروف رہنے والا آدمی تھا۔ اسکی تخت نشینی کی وجہ سے لوہی
 خاندان کا ایک ذی اختیار سردار بغاوت پر اُٹھ کھڑا ہوا اور صوبہ بہار میں ضلع
 شاہ آباد کے قلعہ رہتاس گڑھ میں اپنا جھنڈا بلند کر کے خود مختار بن بیٹھا مگر
 اسی طرح صلح ہو گئی۔ داؤد نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور لوہی سردار نے جو اس
 اعتماد کیا تھا اس سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اُسکو گرفتار کر لیا اور قتل کر ڈالا۔ اکبر نے

اپنے حاکم جو پنور کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ معاملات بہار پر اچھی طرح نظر رکھنا اور جیسے موقع دیکھو ویسا عمل کرنا۔ اس سردار کو جو یہ خبر پہنچی تو فوراً کرنا ساعبور کر کے پٹنہ کے حصار دار شہر پر چڑھائی کی کہ داؤد نے یہ سمجھ کر کہ میدان میں مغلوں سے عہدہ برانہ ہو سکے گا بیان پناہ لے رکھی تھی۔ اکبر کے گجرات سے واپس آنے کے بہت ہی تھوڑے دن بعد کی یہ حالت تھی۔ اکبر کا جی چاہتا تھا کہ اس لڑائی کا اہتمام بذات خاص کرے چنانچہ اپنے فوجی افسر کے نام حکم بھیج دیا کہ فی الحال سب کا روالہ ملتوی رکھو اور اینجانب کی تشریف آوری کا انتظار کرو۔ پھر جلدی سے اس زیارت کو اجمیر روانہ ہوا جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اور وہاں سے بجلت تمام کچھ فوج لیکر تری کے راستہ سے آگے آباد پہونچا۔ یہاں بھی ٹھہرا نہیں اور تری ہی کے راستہ سے بنارس آیا۔ تین دن قیام کیا۔ پھر کشتی میں سوار ہوا اور اس مقام پر پہونچا جہاں دریائے گومتی دریائے گنگ میں ملا ہے۔ یہاں سے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک فوجی افسر کے پاس سے خبر آئے گومتی چڑھ کر جو پنور ہو رہا تھا ہے۔

ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اپنے فوجی افسر کی عرضی ملی کہ حیدر جلد ممکن ہو

تشریف لائیں۔ ملاحوں کو حکم دیا کہ شہزادوں اور بیگمات کو جو پنور پہونچائیں اور

ہوا۔ پون پون میں گھوڑے ڈال دیے اور تیر کر بہت پھرتی کے ساتھ واؤڈ کے
 ہمارے یون پر جا پہنچا اور ہاتھی پر ہاتھی گرفتار ہونے لگا حتیٰ کہ دریا پور پہنچ کر
 دو سو بیسٹھ ہاتھی جمع ہو گئے۔ دریا پور میں خود ٹھہر گیا اور دو معتد افسروں کو
 حکم دیا کہ تعاقب کیے چلے جاؤ۔ یہ لوگ چودہ میل اور آگے تک گئے پھر یہ
 سمجھ میں آ گیا کہ واؤڈ بھل گیا اس لیے واپس چلے آئے۔

پنٹ فتح کر لینے سے بہار اکبر کو مل گیا۔ چھ دن دریا پور میں قیام کر کے اس
 ملک کی حکومت کا بندوبست کیا پھر اپنے کامیاب فوجی سپہ سالار کو جس نے اس
 لڑائی کا منصوبہ قائم کیا تھا اس کی تکمیل کے لیے یہیں چھوڑ کر خود جنپور کو مراجعت
 کی۔ ۳۳ دن جنپور میں رہا اور انتظام ملک کی خاطر خواہ درستی میں مصروف
 رہا اور اس غرض کی تکمیل کے واسطے جنپور بنارس چنار اور دیگر محالات متصلہ
 کو ایک کر کے بلا توسط خالصہ شاہی سے متعلق کر دیا اور کرناٹا کے جنوب میں
 جو ملک حال میں فتح کیا تھا اس کو ایک علیحدہ مملکت قرار دیا۔

یہ سب انتظام کر کے اگر وہ آنے کی نیت سے کانپور روانہ ہوا۔ کانپور
 میں چار دن ٹھہرا کہ اسی عرصہ قیام میں یہ خبر مل گئی کہ اُس کا سپہ سالار جو بنگال میں
 تھا اُس نے یکے بعد دیگرے مونگیر تھاکلیور گڑھی اور نانڈہ پر قبضہ کر لیا اور

اور رائے گنگ کے دوسری جانب گورتک کہ یہ مقام ہندوؤں کا مشہور
 دارالسلطنت بنگال کا تھا قابض ہو کر آگے بڑھنے کی طیاریاں شروع کر دیں۔
 یہاں یہ ذکر بھی کر دینا چاہیے کہ سپہ سالار مذکور نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل
 پوری مستعدی کے ساتھ کی اور بہت سختی کے ساتھ داؤد کا بیچا کیا اور بھویرہ
 شکست دیکر آخر کار کلک میں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اس بادشاہ کے اطاعت
 کر لینے سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بنگال کی فتح کی پوری تکمیل ہو گئی۔

کاپور میں یہ خوشخبری سن کر اکبر بھولانہ سمایا اور یہ سمجھ کر کہ بنگال کی لڑائی کا
 اب خاتمہ ہو گیا دہلی کی طرف بڑھا اور چند روز سیر و شکار میں مشغول رہا اور
 پھر راستہ میں شکار کھیلتا ہوا اجمیر گیا۔ نارنول میں حاکمان پنجاب و گجرات سلام
 کو حاضر ہوئے اور ان سے یہ معلوم ہو کر اطمینان ہوا کہ اکبری سلطنت رعایا
 کے دلوں میں جڑ پکڑتی جاتی ہے۔ ان سرداروں سے بات چیت کرنے کے
 بعد خواجہ صاحب کے مزار کو روانہ ہوا اور جو دھپور کے جنگلون میں جو ایک
 چھوٹے سردار نے فساد برپا کر رکھا تھا اُسے فرد کر کے اپنے دل پسند قیامگاہ
 پر خیمہ رسیکڑی لوٹ آیا۔

اکبر نے جوتے بہت سارے سفر کیے تھے ان سے یہ بات اُسکو معلوم

ہو گئی تھی کہ جن ملکوں میں ہو کر وہ گزر اُسکا بیشتر حصہ غیر مزر و عہ پایا گیا۔ یہ خرابی نہ زمین کے ناقص ہونے کے باعث تھی کیونکہ زمین تو زر خیز تھی۔ اور نہ رعایا کی کابل اسکا باعث تھی اس معاملہ کی اچھی طرح بھان میں کرنے کے بعد اکبر نے یہ نتیجہ نکالا کہ تصور زیادہ تر انتظام کا ہے کہ اراضی پر محصول پسند رکھا گیا ہے کہ غریب آدمی کے لیے کاشتکاری ممنوع سی ہو گئی ہے۔ اُسکا یہ خیال ہوا کہ اگر کوئی طریقہ ایسا ایجاد ہو سکے کہ پہلے سال کا منافع سرکار اور کاشتکار کے درمیان میں تقسیم ہو جائے تو یہ خرابی رفع ہو جائیگی۔ اس مسئلہ پر بخوبی تمام غور کرنے کے بعد اس نے یہ انتظام کیا کہ مختلف پرگنہ جات و اضلاع و محض اضلاع کی جانچ کی جائے اور جتنے محض اضلاع ایسے ہوں کہ انکی مجموعی اراضی کاشت ہونے پر ایک لاکھ تنگہ کی پیداوار کی ہو جائے اُنکو الگ کر کے ایک دیانت دار اور ہوشیار افسر کے سپرد کیا جائے کہ وہ کروڑی کے لقب سے لقب ہو۔ محرران و محاسبان خالصہ ان افسروں سے انتظام کر لیں اور اپنے اپنے ضلعوں میں بھیج دیں کہ وہ ان

۱۰ ہلاکین صاحب بنی آئین اکبری کے نوٹ میں (صفحہ ۱۹) لکھتے ہیں کہ ابو الفضل کی تحریر کے مطابق ایک دام وزن میں پانچ تنگہ کے برابر ہوتا تھا۔ اور چونکہ وہ مہینے کا سکہ جو دام کہلاتا ہے روپیہ کے چالیسوں حصہ کے برابر ہوتا ہے ایسے ایک کروڑ تنگوں کی مالیت پچاس ہزار روپیہ ہوگی۔

وہ صوبہ اڑیسہ پر شہنشاہ اکبر کی طرف سے اور اسی نے نام سے حکمران رہے
 بیان یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جو وعدہ داؤد نے اس موقع پر کیا تھا اس پر وہ
 قائم نہ رہا۔ جو پہلا مفید مطلب موقع اُس کو ملا اُسی پر وہ باغی ہو گیا اور دو برس
 بعد مغنوں کے سپہ سالار سے بڑی جنگ ہو کر شکست کھائی۔ دو قید کر لیا گیا
 اور اس نگر امی کے بادشاہ میں میدان جنگ ہی میں اسکا سر تن سے
 جدا کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ تک سلطنت منلیہ کے مظہر کو بنگال اور اڑیسہ میں سخت
 بے شکاری اور مستعدی سے کام لیتا پڑا۔

اس برس کا دوسرا بدگار واقعہ یہ ہے کہ اکبر نے فتیہ ریکری میں ایک
 عبادت گاہ تعمیر کیا کہ اس محل میں علما و فضلا اور قابلیت والے لوگ جمع ہوں۔
 اس عمارت میں چار بہت وسیع ایوان تھے مغربی ایوان سادات یعنی آل رسول
 کے لیے مخصوص تھا۔ جنوبی ایوان علما کا یعنی اُن لوگوں کا تھا جنہوں نے
 پڑھا لکھا تھا اور علوم حاصل کیے تھے۔ شمالی ایوان اُن لوگوں کے لیے تھا
 جو اپنی عقل اور ادراک کی وجہ سے واجب التعظیم تھے۔ مشرقی ایوان اُن امرا
 و سردارانِ مملکت کے واسطے مخصوص تھا جنکے مذاق اُن فرقوں میں سے
 کسی ایک کے مطابق تھے جکا اوپر ذکر ہوا ہے جب یہ عمارت بنکر طیار ہو گئی

تو بادشاہ نے معمول کر لیا کہ جمعہ کی رات کو اور نیزادہ تبرک ابام کی راٹون کو یہاں آتا تھا اور صابان ایوانات کی صحبت میں رات بسر کرتا تھا اور ہر ایک کے پاس جا جا کر گفتگو کیا کرتا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر ایوان دلے لے اپنے گروہ میں سے ایک شخص ایسا منتخب کرتے تھے جسے عمارت شاہانہ کے سب سے زیادہ دشمن سمجھتے تھے اور اسی کو حضور میں پیش کرتے تھے۔ ان مواقع پر خوب داد و دہش ہوتی تھی اور شاید ہی کوئی مہمان ایسا ہوتا ہو کہ خالی ہاتھ واپس آتا ہو۔ سال کے آخر میں اس عمارت کی تعمیر ختم ہو گئی۔

اسکے بعد جو برس آیا اُس میں کچھ قابل ذکر واقعات نہیں ہوئے۔ مگر شائع میں اُسیہ کی واؤ و والی وہ بناوت یادگار ہوئی تھی جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ لڑائی جب تک رہی پڑی بل چل و لے رہی گرداؤ و اور اُسکے چچا کی موت نے سب خرخشہ مٹا دیا۔

اسی سال راجپوتانہ میں بھی شکل دیکھائی ہوئی۔ راجپوتانہ جن بہت سی ریاستوں مجموعہ کا نام ہے اُنکے راجاؤں میں سے صرف راناے سیواڑا ایسا تھا کہ اکبر نے اُسکے یہاں ازدواجی تعلق کرنا چاہا تو اُس نے انکار کیا۔ اُسکا عقیدہ تھا کہ ہم دیوتاؤں کی مثل سے ہیں اور ایسے تعلق کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔

چنانچہ اُس نے انکار کیا ایسہ وقت میں کہ اُس کو خود اپنی جان کے لئے بڑے
 ہوئے تھے۔ اُس نے انکار کیا باوجود اسکے کہ یہ دیکھ چکا تھا کہ راجہ جو دھوڑ جس سے
 اُس کو سخت نفرت تھی اسی تعلق کی بدولت بڑی مالگنداری کے چار ضلعے پا کر مال مال
 ہو گیا تھا۔ وہ اپنی بات پر قائم رہا اور اکبر کی طاقت کی مطلق پروا نہ کی۔ رانا
 اُسے سنگھ شاہ عین اپنا دارالحکومت کھو چکا تھا اور راجہ پیدلا کے جنگلوں
 میں بھاگ گیا تھا کہ شاہ عین دہن مز بھی گیا۔

اُس کے بیٹے پر تاب سنگھ نے وراثت میں باپ کی ہٹ بھی پائی تھی اور
 نیز وہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پائی تھیں جو اُس کے دادا نامور رانا سانگا میں تھیں
 نہ دارالحکومت تھا۔ نہ فوج تھی۔ عزیزوں اور محبوسوں کے دل خاندان کی
 تباہی سے بچھ چکے تھے مگر مسلمان کو ڈولہ دینے سے جو انکار تھا اس وجہ سے
 ہمدردی نہ ہوئے تھے اس حالت میں پر تاب سنگھ نے سلسلہ کو داراولیٰ میں
 گوبندگیر میں اپنے پائون جمائے اور یہ کوشش کی کہ ملک کی حالت درست
 کر کے پھر نئے سرے سے لڑائی کے قابل ہو جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
 کہ جب اکبر شاہ عین اپنی سالانہ زیارت کی غرض سے اجمیر کو جابجا تھا
 اُس کو پر تاب سنگھ کے منصوبوں کی کچھ خبر لگ گئی اور اُس نے اپنے سب سے زیادہ

مقدمہ سالار راجہ مانسنگہ والی جے پور کو کہ وہ بھی راجپوت تھا اور جس کو کہ ہم دیکھ چکے
ہیں کہ گجرات میں بادشاہ کے پہلو بہ پہلو لڑ رہا تھا یا پنخزار سوار ذکر رانا کی سرکوبی
کے واسطے روانہ کیا۔ ماہ دسمبر ۱۵۶۷ء ع میں بمقام ہلدی گھاٹ کہ گونڈہ
بھی کہلاتا ہے دونوں مخالف فوجیں مقابل ہوئیں۔ لڑائی جو ہوئی اسکا انجام
یہ ہوا کہ رانا نے شکست فاش پائی۔ اور سرکہ میں ہار کر اراولی کی پہاڑیوں میں
بھاگ گیا۔ اس غرض سے کہ پھر اسے کوئی سامان کسی طرح مل ہی نہ سکے اکبر نے
کچھ فوج پہاڑیوں میں بھیج دی کہ تعاقب میں جاؤ اور راستہ میں جو ملک پڑے
اسے ویران بھی کرتے جاؤ۔ اکبر خود میواڑ میں داخل ہوا اور طریقہ انتظام تیسرا
دیا۔ وہاں سے مالوہ گیا اور اسکی مغربی سرحد پر لشکر ڈال کر شہر برہانپور کے
متعلق جو ملک تھا اسکا انتظام کیا اور گجرات کے انتظام کو ترقی دی ۱۵۶۷ء
ان ہی انتظامات میں صرف ہوئے۔ پھر وہاں سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔
پنجاب کے راستہ میں بادشاہ کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو ان لوگوں
کی دلچسپی کا باعث ہو گا جو آجکل ہندوستان کی حکومت اعلیٰ پر ممتاز ہیں۔ دہلی پہنچا
تھا بلکہ ایک منزل اور آگے بڑھ چکا تھا کہ ایک حاجی جو یورپ ہوا تھا نفیس لباس
اور پیش بہا پہرے بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے لایا۔ وقایع نگار نے اس

مضمون کے متعلق اس سہ زیادہ اور کچھ حال نہیں لکھا اور یہ بہن کو قیاس کرنا
 پڑتا ہے کہ کس ملک سے وہ کپڑے آئے تھے اور کیا انزان سے پیدا ہوا تھا۔
 اکبر بھوڑے دن پنجاب میں رہا۔ پھر دہلی آیا۔ وہاں سے اجمیر کی سالانہ زیارت
 کو گیا اور صرف ایک شب وہاں قیام کر کے صرف نو آدمی ساتھ لیکر گھوڑے پر
 سوار ہو کر سو میل فی یوم سے زیادہ تیز رفتار پر فچپور سیکری روانہ ہوا اور تیسرے
 دن شام کو وہاں پہنچ گیا۔

سال آئندہ یعنی شہدائے کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک
 سلطنت اعلیٰ وجہ کی خوشحالی کی حالت کو پہنچ گئی تھی۔ بنگال میں صرف اس
 ہی نہیں قائم تھا بلکہ وہاں سے روپیہ بھی خزانہ شاہی میں آتا تھا۔ فرمانروائے
 میواڑ کو البتہ اب تک شاہی فوج کھدیرتی پھرتی تھی مگر ہندوستان کے کسی اور
 حصہ سے ہتھیاروں کے کھڑکنے کی آواز نہیں آتی تھی۔

اکبر نے جو بہت سے سفر کیے ان میں اس بات پر بھی خیال کیا کہ اندرونی
 ملک میں محصول لگانا اگرچہ اس وقت تک ضرور جائز تھا کہ ہندوستان کے مختلف
 صوبوں میں مختلف فرمانروائے ایک دوسرے کے قریب ہوتے تھے لیکر اب
 کراتے سارے صوبے ایک ہی سلطنت کے تابع تھے اس طریقہ کا نتیجہ یہ

کہ نا اتفاقی ہمیشہ کے لیے قائم ہوئی جاتی تھی۔ چنانچہ شروع شروع میں
 میں اپنی عملداری بھرین تمغایں یعنی محصول چنگی موقوف کر دیا۔ اور اسی فرمان
 کی رو سے وہ جزیہ بھی موقوف ہو گیا جو ہندوستان کے افغانی بازاؤں
 نے بحساب سرشماری ان رعایا پر لگایا تھا جو مذہب محمدی کے پیرو نہ تھے۔
 خوش نیت بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ خیالات آزاد زمین ہماری رعایا میں ہر شخص
 اپنے طور پر اور اپنے اعتقاد کے مطابق عبادت کرے چنانچہ یہی اصول اپنی
 عمر کے آخر وقت تک اسے جاری رکھا۔ اس سال کا سب سے بڑا پوئلک
 واقعہ یہ ہے کہ بنگال کے کچھ بیدل سرداروں نے علم بغاوت بلند کیا۔ مگر چونکہ
 آپس میں اتفاق نہ تھا شکست کھائی اور تتر تتر ہو گئے۔

اگلے سال ۱۵۸۷ء میں اکبر فوج لیکر پنجاب روانہ ہوا کہ اس حملہ کو
 دفع کرے جو اسکے حقیقی بھائی محمد حکیم مرزا نے کابل سے کیا تھا۔ اکبر کے
 پانی پت پہنچنے سے پہلے ہی یہ باغی بھائی لاہور کے قریب پہنچ گیا تھا۔
 مگر اکبر کی چڑھائی کی خبر سنتے ہی اسے یقین ہو گیا کہ مجھے اس حملہ میں ناکامی
 ہوگی۔ چنانچہ لاہور ہی سے اُٹے پانوں بھرا اور کابل واپس چلا گیا اکبر نے
 سرہند کالانور اور رہتاس کے راستہ سے اسکا تعاقب کیا پھر انڈس کو اس

مقام پر عبور کیا جہاں اب تک واقع ہے اور عبور کرنے کے وقت اس مقام پر ایک قلعہ تعمیر ہونے کا بھی حکم دے دیا۔

اکبر پیشیا و ترک بڑھا چلا گیا اور اپنے بیٹے شہزادہ مراد کو فوج دیکر تسخیر کابل کے واسطے روانہ کیا۔ مراد فوجوان آدمی تھا۔ اونچا قد۔ دُبلابدن۔ رنگت زردی مائل۔ شراب بہت پیتا تھا کہ انجام کار اسی کے اثر سے اُس نے اور اُس کے بھائی شہزادہ دانیال دونوں نے وفات پائی۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور غر د کابل میں اپنے چچا کی فوج سے مقابلہ کیا اور اُسے شکست فاش دی۔ اکبر بھی شہزادہ کے پیچھے پیچھے مکمل لیکر چلا آتا تھا۔ اُس کے پہونچنے کے تین دن بعد وہ بھی کابل میں داخل ہو گیا۔ تین ہفتہ تک وہاں رہا پھر بھائی کی خطا بخشتی کر کے پھر اُسے حکومت کابل پر افرار کیا اور خیبر کے راستہ سے لاہور واپس آیا وہاں ملک پنجاب کا بندوبست کر کے دہلی ہوتا ہوا فنجپور سیکری آگیا۔ وقایع نگار لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ تک فنجپور میں قیام کر کے عدل گستری و داد و دہش کرتا رہا اور سہرا انجام کار سرکاری میں مصروف رہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سال آئندہ میں پورے برس دن اکبر حسین

مقیم رہا۔ بنگال میں بجاوت کی آگ اب تک سلگ رہی تھی مگر وہاں بادشاہ
 کی طرف سے بڑے قابل قابل فہم تھے وہ برابر ضیوں میں حالات
 لگتے رہتے تھے اور بادشاہ بھی برابر ہمتیں جاری کرتا رہتا تھا۔ کچھ ایسی یاد
 بہ عملی نہ تھی مگر اسکی وجہ سے پریشانی ضرور ہوتی تھی اور وصول مالگزاری میں بھی
 ہرج پڑتا تھا۔

آٹھ سو سال میں بھی اکبر فتح پور سیکری ہی میں تھا۔ اس سال کے
 خاص واقعات یہ ہیں۔ بنگال میں اسن قائم ہو گیا۔ گجرات میں بلوہ ہوا۔ فرو
 گردیا گیا۔ آسیر گرٹھ اور برہانپور کا حاکم باغی ہو گیا۔ دکن میں ہنگامے ہوئے۔
 اکبر کا بھائی جو کابل کا فرمانروا تھا فوت ہوا۔ بناو تین فرو کردی گئیں اور کابل
 میں ایک نیا حاکم بھیجا گیا۔ اس سال کے خاتمہ سلطنت کی حالت اعلیٰ درجہ
 کی خوشحالی کی تھی۔

بھگواند اس راجہ جے پور بادشاہ کے سب سے زیادہ جان نثار رفیق
 میں تھا کہ اُس نے نہ صرف اپنے آپ اکبر کی اعلیٰ درجہ کی جنگی خدمات انجام دی تھیں
 بلکہ اُسکا بھتیجا مان سنگھ بھی اکبری فوج کا بہت بڑا سردار تھا جس زمانہ کا ہم لب
 ذکر کر رہے ہیں اُس میں یہ راجپوت کنوڑ پنجاب کا حاکم تھا۔ اکبر نے اسی خاندان

سے اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کے لیے جو بعد کو جلالگیر کے لقب سے مشہور ہوا ایک
 دوہن انتخاب کی۔ اور بڑی دھوم دھام اور تزک و اختتام کے ساتھ فقیر
 یکمیری میں شادی ہوئی۔ اس سلطنت سے پہلے راجپوت راجہ براہرمان
 بادشاہوں سے ازواجی تعلقات کرنے کو بہت حقارت کے ساتھ ناپسند
 کرتے رہے تھے۔ مگر اکبر کو اتفاق پیدا کرنے کی خواہش تھی اور وہ اس
 اصول کو برتنا چاہتا تھا کہ مذہب اور قوم کے اختلاف سے آدمی میں کوئی
 اختلاف نہیں ہوتا۔ بہت سے تعصبات اُسکے سدراہ تھے اور اُنکو اُسے
 مٹانا تھا۔ خصوصاً راجپوتوں کے ساتھ بڑی وقت تھی۔ اور رانا سے سیواٹر
 کی ضدی طبیعت پر تو آخر وقت تک بھی وہ غالب نہ آسکا اور راجہ ملائم طبیعتوں
 کے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اکبر ایسے اصولوں کا موجد ہے جنکا اس سے
 پہلے ہندوستان میں کبھی نام بھی نہیں سنا گیا تھا۔ اسکی نظروں میں لیاقت
 لیاقت تھی عام اس سے کہ وہ ہندو راجہ میں ہو یا اذکب مسلمان میں۔ آدمی
 لائق ہو تو پھر اُسکی قوم یا نسل نہ اونچے عمدوں پر ممتاز ہونے کی سدراہ ہوتی
 تھی اور نہ عروج عزت پر پہنچنے کی۔ چنانچہ بھگواند اس مانسگر ٹوڈرل وغیرہ
 نے یہ سمجھ لیا کہ اس مسلمان بادشاہ کے تخت میں جو صلہ ہلو ملتا ہے وہ اسپر

پچھلی پانچ صدیوں میں مسلمانوں کی فتوحات سے کس درجہ غنا و بڑھاپا اور ترقی پھیلی اور بھوٹ ہو گئی اور کس طرح یہ شخص چھوٹی ہی سی عمر میں کہ نابھی تجربہ کار ہوا تھا اور نہ فن حکومت سے ماہر تھا ہمارا سرتاج ہو گیا اور جو ملک لیتا گیا وہاں برکت اور خوش انتظامی پھلتی گئی اور انصاف اور بے تعصبی دکھائی دینے لگی۔ بلکہ اسکی ملک گیری کی غایت ہی یہی تھی کہ یہ اصول جاری کیے جائیں۔ قوم یا اعتقاد مذہبی کے اختلافات کے باعث اُسکے یہاں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ ان باتوں کی وجہ سے راجپوت لوگ جو خدا کے اوتار کے مان لینے میں بہت سریع الاعتقاد ہیں ضرور یہ سمجھنے لگے ہونگے کہ اکبر معمولی انسان سے بڑھا ہوا ہے اور اسکی ذات میں اوصاف آئمی و جانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

اُسکی بے تعصبی ایسی کامل تھی۔ اسکا اعتبار ایک دفعہ قائم ہوئے پیچھے ایسا مستحکم ہوتا تھا۔ اُسکے اصول ایسے دریا دلی اور فراخوصلگی کے تھے کہ باوجود اپنی پیدائش اور مذہب اور ارد گرد کے تعلقات کے تعصبوں میں گھرے ہونے کے دل تغیر ہی ہو جاتے تھے۔ اور جب اکبر نے اسکے بدلہ میں یہ چاہا کہ وہ اس مدت مدید سے چلے آنے والے تعصب سے دست بردار

ہو جائیں میں کو وہ اپنے نئے کپڑوں کے رول چاہنے کا سد راہ سمجھتا تھا (یعنی وہ تعصب حبلی تعلیم یہ تھی کہ اور لوگوں کو محض اس وجہ سے کہ وہ ہندو نہیں ہیں ملکیش اور ناپاک سمجھا جائے) تو ایک بڑے شخص کو چھوڑ کر اور باقی سب کے سب راضی ہو گئے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس طرح کا اصول محدود نہیں رہ سکتا اور نیز یہ کہ ہمارے اپنے تنگ طریقہ کے اس حصہ کو جو مختلف قوم والوں سے شادی کا مانع ہے عملاً ترک کر دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ہی ملک میں امن و عافیت رہے گی اور خود ہماری توقیر و منزلت میں ترقی ہوگی۔

اپنی سلطنت کے اکتیسویں برس اکبر کو اپنے بھائی کے کابل میں وفات پانے کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی سنا کہ سرحدی صوبہ بختان اذکون نے تاراج کر ڈالا اور کابل پر بھی آنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ یہ موقع عظیم تھا اور عیا کہ اُس نے فیصلہ کیا اُس وقت اُس کا بذات خاص موجود ہونا لازمی تھا چنانچہ وسط ماہ نومبر میں فوج لیکر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ ماہ آیندہ کے آخر میں شجاع پور پہنچا اور وہاں سے سید حار اوپندی کی طرف بڑھا۔ وہاں یہ سن کر کہ معاملات کابل کچھ اُسکے موافق ہونے والے ہیں اپنے نئے قلعہ ٹنک کو روانہ ہوا۔ وہاں سے ایک فوج بھگوانداس کے تحت میں سفیر کشمیر کے لیے

نہ کی۔ دوسری فوج بلوچوں کی سرزنش کے واسطے بھیجی۔ اور تیسری
 ج سوات پر چڑھائی کرنے کو روانہ کی۔ ان تین مہموں میں سے آخر والی میں
 تہ تاکامی ہوئی۔ یوسف زئیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ مغلوں کو پہلے
 بین سپا کر دیا ہو۔ بلکہ جب اکبر کا عزیز رفیق راجہ بیربل کا کہ لیکر پہنچا تو
 ج بھی ہٹا دی گئی اور آٹھ ہزار آدمی کام آئے جن میں سے ایک راجہ بھی
 ۱۔ مغلوں کی فوج کو اس سے زیادہ فاش شکست کبھی نصیب ہوئی تھی
 لی تلافی کرنے کو بادشاہ نے اپنے اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار راجہ توڈل
 بیجا اور مد کے لیے راجہ مان سنگھ والی جے پور کو بھی ساتھ کر دیا۔
 سپہ سالار بہت ہوشیاری سے چلے اور جون جون آگے بڑھتے گئے
 بی حصار قائم کرنے لگے اور بالآخر درہ خیبر میں ان قوموں کو پوری پوری
 مست دی۔

اس عرصہ میں کشمیر پر جو مہم روانہ کی تھی اس میں اس سے کچھ ہی زیادہ

راجہ بیربل بہمن تھا۔ شاعر بھی تھا اور فن موسیقی میں دستگاہ اچھی رکھتا تھا۔ سخاوت اور بذلتی
 بن شہرہ آفاق تھا۔ بلا کمین صاحب (آئین اکبری صفحہ ۵۰۵) لکھتے ہیں کہ ”اُسکے چھوٹے چھوٹے

وسپے اور لطافت و ظرافت اب تک ہندوستان کے لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔“

کامیابی ہوئی۔ سپہ سالار درہ شولیاں پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں کے مسلمان فرمانروا نے اُسے بند کر رکھا ہے۔ تھوڑے دن رسد کے انتظار میں پڑے رہے کہ منہ بڑھنے لگا اور برف پڑنے لگی۔ ابھی آگے بڑھنے بھی نہ پائے۔ تھکے کہ یوسف زیون نے جو شکست دی تھی اُسکی خبر پونج گئی۔ جو رہی سہی ہمت باقی تھی وہ بھی جاتی رہی اور جلدی سے حاکم کشمیر سے برائے نام مطیع ہو جانے کی شرط پر صلح کر لی اور اکبر کے پاس واپس آ گئے بادشاہ نے اس پست ہمتی پر اظہارِ ناخوشی اس طرح کیا کہ ان لوگوں سے بہت سروسامانی کے ساتھ پیش آیا اور انکا دربار بند کر دیا۔ مگر اکبر کے دل میں نا راضی زیادہ دیر نہ ٹھہرتی تھی۔ بہت جلد قصور معاف ہو گئے۔

ان تین مہموں میں صرف اس مہم میں پوری کامیابی ہوئی جو بلوچوں کے مقابلہ میں روانہ کی گئی تھی۔ یہ دلیر جنگ آزما بغیر لڑے بھڑے مغل بادشاہ کے مطیع ہو گئے۔ جب ٹوڈرل اور مان سنگھ کی کوششوں سے درہ خیبر کھل گیا تو اکبر نے مان سنگھ کو کہہ راجہ جے پور کا بھتیجا اور ولیعہد تھا حاکم کابل مقرر کیا اور کافی فوج ساتھ کر کے وہاں بھیجی یا یوسف زیون کے ملک میں پھر اسکا رعب و داب قائم کرنے کے لیے اور فوج بھی روانہ

کی اور پٹنہ اور پرستھ کام کے ساتھ تسلط رکھا۔ اکبر خود لاہور واپس آگیا۔ وہاں
 سے دوسری لیٹا کشتیر پر بھی۔ جب یہ فوج شہر کے موسم گرما میں
 درون کے قریب پہنچی تو سی نگر میں وہاں کے حاکم وقت کے مقابلہ
 میں بغاوت ہو گئی۔ ایسے وقت میں شاہی فوج کو اس ملک میں داخل
 ہونے اور فتح کر لینے میں کچھ وقت نہوئی اور یہ ملک بھی سلطنت مغلیہ میں شامل
 ہو گیا اور اکبر کے جانشین کے زمانہ سلطنت سے ہندوستان کے مغل
 بادشاہوں کی موسم گرما کی قیاسگاہ یہیں رہی۔ یہاں یہ ذکر بھی کر دینا چاہیے
 کہ جبرود و پونچھ کے لیے درہ خیبر کے سرے ہی پر مان سنگھ کو پہاڑی
 قوموں سے ایک لڑائی اور کرنی پڑی اور اسمین جیت رہی۔ آخر کار کابل پہنچا
 اور وہاں معتقل انتظام جایا مگر کابلین اور سرداران قوم نے اکبر سے شکایت
 کی کہ راجپوت راجہ کی حکومت ہلکو کسی طرح پسند نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر نے
 مان سنگھ کو اسی عہدہ پر بنگال ملا لیا کہ وہاں بھی خاص کر اس زمانہ میں ایک بڑے
 جابر حاکم کی ضرورت تھی اور کابل میں اسکی جگہ ایک مسلمان حاکم بھیج دیا۔ اور اسی
 زمانہ میں اس ارادہ کا بھی اظہار فرمایا کہ خود بدولت اس علاقہ میں تشریف لادینگے
 سب سے پہلے تو شہر میں سندھ پر تسلط بٹھایا پھر سالانہ

کہ یہ خبر پہنچی کہ اپنی عزیز وایہ کبے میںے کو جو حال میں حاکم گجرات مقرر کیا تھا اُسے
کاٹھیاوار اور گجھ و آلون سے جنگی جہیز چھاپڑ شروع کر دی۔ اس جہیز چھاپڑ کا نتیجہ یہ
ہوا کہ یہ دو صوبے بھی سلطنت شاہی میں شامل ہو گئے اور وہان کے بادشاہ
نے جو افتنائی نسل سے تھا اور جسے مغربی ہندوستان میں یہ سب ہنگامے
برپا کیے تھے خود کشی کر لی۔ بادشاہ نے اپنے قیام لاہور سے یہ فائدہ اٹھایا
کہ صوبہ سندھ میں جو معاملات میں ابتری پڑ گئی تھی وہان پورا پورا امن قائم کرنے
کے لیے احکام جاری کیے۔ اس صوبہ کو پورے طور پر زیر کرنے میں جتنا
سمجھا گیا تھا اس سے کہیں زیادہ مشکل پیش آئی۔ نتیجہ حسب دلخواہ پیدا کرنے
کے لیے بہت فوج کی ضرورت پڑی اور یہ بھی ضروری ہوا کہ پوری پوری مختاری
اور استقلال کا اظہار کیا جائے۔ اس لڑائی میں دو برس صرف ہوئے اور اتنے
عرصہ میں کشمیر باغی ہو گیا۔

ان دو برسوں میں بادشاہ نے اپنا صدر مقام لاہور ہی میں رکھا تھا۔
جب یہ سنا کہ سندھ میں پوری کامیابی ہو گئی تو اکبر جس نے اسی نتیجہ کے ظہور میں
انے کی امید پر اپنی فوج کا بڑا حصہ بھی میر کی طرف روانہ کر دیا تھا اور وہ چناب

کے کنارہ شکار کھیل رہا تھا فوراً روانہ ہوا کہ اپنی بڑی فوج میں جلے۔ راستہ میں سنا کہ باوجود سخت مقابلہ ہونے کے اسکی فوج کے ہر اول حصہ نے ایک درہ زبردستی کھول ہی لیا۔ اسی واقعہ سے لڑائی کا فیصلہ ہو گیا کیونکہ باغی سردار کے سپاہی اسکی کارروائی سے ناراض ہو کر رات کے وقت اسی پر جا پڑے اور اسکو قتل کر ڈالا اور سر کاٹ کر اکبر کے پاس بھیج دیا۔ اس شخص کا مرنا تھا کہ لڑائی بالکل موقوف ہو گئی۔ اکبر سوار ہو کر سبھی نگر گیا اور آٹھ دن وہاں رہ کر انتظام ٹھیک کیا پھر براہِ مولائے تنگ راستہ سے رہتاس آیا اور وہاں سے لاہور پہنچا۔ بیان یہ خبر معلوم ہوئی کہ اُسکے سردار بنگال راجہ مانسنگ نے صوبہ اتر میں مستقل طور پر حملہ آری شاہی میں شامل کر لیا ہے۔ راجہ مذکور نے صوبہ مذکور کے گرفتار کیے ہوئے ایک سو بیس ہاتھی لاہور میں بادشاہ کو تحفہ میں بھیجے تھے۔ سال آئندہ میں یہ کوشش شروع ہوئی کہ صوبجات دکن جو سلسلہ کوہ وندھیا چل کے جنوب میں واقع ہیں انکو بھی آئین شاہی سے وابستہ کر لیا جائے اور اسکا سلسلہ آٹھ برس تک جاری رہا۔ بحیثیت مجموعی اس کوشش میں کامیابی رہی۔ دولت آباد و کھڑا و ناسک و آسیر گڑھ و احمد نگر سے مستحکم مقامات کے بچانگ عرصہ دراز تک محاصرہ رہنے کے بعد آخر کار شاہی فوجوں کے واسطے

کھل ہی گئے۔ اور اگرچہ ممالک متعلقہ احمد نگر ۳۶ سال تک پوری طرح زیرِ نگیں ہوئے تاہم اکبر کی ایسی حالت ہو گئی کہ اسکو وہ برتری نصیب رہی جو سخلون کو کم از کم ایک صدی تک برابر حاصل رہی۔

جنوبی ہندوستان کی لڑائی تین واقعوں کے سبب سے یادگار ہے اول تو یہ کہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے جو سپہ سالار اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ ایک کا دوسرا ماتحت نہ ہو اور سب ملک گیری میں کوشش کر رہے ہوں، اتفاقاً ہوئی اور ایسی نا اتفاقاً ہوئی کہ اسکی ضرورت پڑی کہ پہلے تو بادشاہ اپنے مستمدا ابو الفضل کو اگرہ سے روانہ کرنا پڑا اور پھر خود بدولت نے بھی سفر کیا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ شہزادہ مراد نے کثرتِ شراب خواری سے بمقام جاننا اتنا فرمایا۔ تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ اگرہ واپس آتے وقت ابو الفضل اکبر کے فرزند اکبر کو شہزادہ سلیم کے ایمان سے قتل ہوا۔

اکبر کو لاہور میں دربار کرتے چودہ برس ہو گئے تھے کہ ۹۶ سال عمر میں جنوبی ہندوستان کی حالت مقتضی اسکی ہوئی کہ وہ اس طرف روانہ ہو۔ احمد اور آسیر گڑھ تو اسنے تسخیر کر ہی لیے تھے۔ شہزادہ دانیال کو خاندان سے ہار کا حاکم مقرر کیا اور ممالک متعلقہ احمد نگر کی تسخیر پر ابو الفضل کو مامور فرما کر لکھنؤ

کے موسم بہار میں لکڑی کی جانب روانہ ہوا۔

وہ اسباب جنگے باعث اکبر کی موجودگی لکڑی میں ضروری ہوئی بہت
رناک قسم کی تھی شہزادہ سلیم نے آغاز شباب ہی سے اسکو بے طرح پریشان
رکھا تھا۔ اور جب یہ لڑکا جوان ہوا تب بھی اس پریشانی کی کمی کی کوئی صورت
ہوئی۔ سلیم جس سے تاخرین جاگیر بادشاہ کے نام سے اچھی طرح واقف بن
طبع ظالم تھا اور اپنی خواہشوں کی ذرا سی بھی روک ٹوک کی برداشت اسکو کبھی
بو افضل سے نفرت کی وجہ دراصل یہ تھی کہ باپ کو جو اعتبار اُسپر تھا اسکا
رشتہ کھاتا تھا۔ اور یہ وجہ تو مسلم تھی کہ وہ ابو افضل ہی کو اسکا بانی بسانی
سمجھتا تھا کہ اکبر متعصب مسلمانوں کے جادہ تنگ۔ سے منحرف ہو گیا تھا۔
اکبر کو کچھ عرصہ یہ امید رہی کہ ابو افضل کو جنوبی ہندوستان روانہ کر دینے
سے بیٹے کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب اُسے خود وہاں جانے کا
راہ کیا تو سلیم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور نائب السلطنت اجمیر کا خطاب
مطا فرما کر یہ کام سپرد کیا تھا کہ رانے میواڑ سے جو پھر جنگ چھڑ گئی تھی اسکو انجام
دہو چکے۔ اور بیان تک شہزادہ کی دہوئی کی فکر کی تھی کہ نامورانہ سنگہ کو
جو شادی کی وجہ سے شہزادہ کا عزیز ہوتا تھا اسکی مدد کے لیے روانہ کر دیا تھا۔

شہزادہ اور راجہ مافنگہ دونوں میواڑ کی طرف آ رہے تھے کہ خبر پائی
 بنگال میں بغاوت ہو گئی۔ مان سنگھ وہاں کا نائب السلطنت تھا۔ وہ مجبور
 ہو کر اس جنگامہ کے فرو کرنے کو اٹھے پاؤں پھرا۔ مشیر تو کوئی رہا نہیں اور فوج
 بی اسفہد کر شیر تو شہزادہ سلیم کے دل میں یہ سمائی کہ اپنے باپ کے دکن میں
 ہونے سے فائدہ اٹھائے اور عہت کر کے تلج اپنے سر پر رکھنے کی کوشش
 دے۔ میواڑ کا کوچ ملتوی کیا اور فوج لیکر عجلت کے ساتھ آگرہ روانہ ہوا۔
 جب حاکم قلعہ شاہی نے کہ اپنے مالک کا انگملاال افسر تھا قلعہ کے دروازے
 بند کر لیے تو آگہ آباد کا رخ کیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اوہ اور بہار کے صوبے
 لیکر بادشاہ بن بیٹھا۔

ان واقعات کی خبریں اکبر کو دکن سے کھینچ کر لائی تھیں۔ یہ سمجھ کر کہ سلیم کی
 حرکت اس کے مزاج کی اس نماد کے باعث ہے کہ قدغن کی برداشت نہیں کوسکتا
 سننے پر ارادہ کر لیا کہ بجائے اسکے کہ اسے مجبور کیا جائے اسے راہ راست
 رے آتا چاہیے۔ چنانچہ نامہ لکھا جس میں یقین دلایا کہ اگر تم پھر دائرہ اطاعت میں
 آجاؤ گے تو ہماری شفقت بہ ستور جاری رہے گی اور یہ بھی کان کھول دیے کہ
 براہِ نافرمانی کرنے رہو گے تو اسکا کیا نتیجہ ہوگا۔ جب یہ نامہ سلیم کے پاس

پہنچا ہے اس وقت اکبر ایک فوج لیے ہوئے اگرہ آ رہا تھا کہ اس کے جوان تعلقہ
 میں تو بہت کم تھے مگر سلطنت کے منتخب جوان تھے۔ سلیم نے سمجھ لیا کہ میری بات
 چلنے والی نہیں اور اس خیال سے بہاؤ جانشینی سے بھی ہاتھ دھوٹا پڑے بسنے
 بڑی مارا دمتندی۔ کہ الفاظ میں جواب لکھا۔ مگر افعال ان الفاظ کے مطابق
 نہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ سن کر کہ شاہی فوج کا بڑا حصہ ہنوز دکن میں پڑا ہوا ہے
 شہزادہ اما وہ کی طرف بڑھا اور راستہ میں اس نیت سے فوج بھرتی کرتا گیا کہ
 باپ کے پاس اس طرح حاضر ہو کہ معلوم ہو جائے کہ فوج کثیر بھی ہمراہ ہے۔ مگر
 اکبر بک دھوکے میں آنے والا تھا۔ اُس نے بیٹے کے نام فرمان بھیجا کہ
 دو دین سے جو جی چاہے ایک بات پسند کر لو۔ یا تو تھوڑے سے آدمی ساتھ لے کر
 اگرہ آؤ۔ ورنہ آکر آبا دلوٹ جاؤ۔

شہزادہ سلیم نے طریقہ موخر الذکر پسند کیا اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اس وعدہ
 پر ہوا کہ بنگال و اڑیسہ جاگیر میں مرحمت ہوگا۔ بہر حال یہ دونوں صوبے اسکی
 جاگیر ہوئے۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس موقع پر اکبر پر کس حد تک اس بات کا
 اثر پڑا کہ وہ اپنی حالت کو شہزادہ کے مقابل میں کمزور سمجھتا تھا یا اس بات کا کہ وہ
 اپنے ہی بیٹے سے لڑنا پسند کرتا تھا۔ یا اس بات کا کہ شفقت بہت تھی۔ غالب

یہ ہے کہ تینوں خیالات نے ملکر یہ اثر پیدا کیا کہ اُسے جو طریقہ اختیار کیا اُس میں کمزوری کے رنگ کی ٹکی سی جھلک آگئی۔ بہر کیف تھوڑے ہی دنوں بعد یہ بھی کھل گیا کہ سرکش بیٹے کے ساتھ جو مراعات ملحوظ رکھی تھیں اُن کا اُسکے اوپر کوئی اچھا اثر مترتب نہ ہوا۔ سلیم کا حافظہ غضب کا تھا اور اسکی نفرت کبھی جانینوالی نہ تھی ابو الفضل دکن سے تھوڑے سے ہمارہیوں کے ساتھ واپس آنے لگا تو اس نے موقع غنیمت سمجھا اور راجہ اُرجھا کو ترغیب دیکر راستہ ہی میں قتل کروا دالا۔ اپنے دوست کا قتل اکبر کے دل پر بید شاق گزرا۔ بھلے کو اُسے یہ یقین معلوم ہوا کہ میرا بیٹا بھی اس قبیح کام میں شریک تھا۔ یہ سمجھ کر محض راجہ اُرجھا ہی مجرم ہے اُس نے اس پر فوج روانہ کی۔ گنگا راجہ جنگوں میں بھاگ گیا اور گرناری سے بچتا رہا تا آنکہ اکبر کے مرجانے پر اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ بھی سلیم سے راضی ہو گیا اور اُسے میواٹ کے پہاڑوں کے فرو کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہاں فی ذکر

بہ شزاہ سلیم نے اپنی توک جباگیری میں اس قتل سے اس بنیاد پر صفائی کی ہے کہ اکبر کو اُن ہاتھوں کی ترغیب دینے کا جنکو وہ نہ سب سے گمراہ ہو جانا سمجھتا تھا ابو الفضل ہی بانی مہانی تھا۔ اُس نے راجہ اُرجھا پر آخر وقت تک بید غایت کی نظر رکھی۔

کر دینا ضروری ہے کہ یہ ہنگامے اس باعث سے یہ پاہوئے تھے کہ رانا
 پر تاب سنگھ مغلوں کی اطاعت سے برابر انکار کیے چلا جاتا تھا۔ ۵۶ شجاع مین
 بمقام ہدی گھاٹ شکست کھا کر رانا سے مذکور جنگوں میں بھاگ گیا تھا۔ اور
 افوج شاہی اسکے پیچھے ہی پیچھے لگی رہی تھی۔ تقدیر کچھ ایسی اسکے خلاف ہی
 کہ بہت سے انقلابات کے بعد جب ایک دفعہ کامیاب ہونے سے بھی اسکا
 کام بچل سکا تو اُسے ٹھان لی کہ اپنے کنبہ والوں اور معتد دوستوں کو ساتھ لیکر
 سیوان سے نکل جائے اور اُنڈس کے کنارہ ایک اور سلطنت کی بنیاد ڈالے۔ وہ وہاں
 بھی ہو چکا تھا کہ اسکے وزیر لی ہینال وفاداری سے اسکے پاس لڑائی جاری
 رکھنے کا سامان بھر جمع ہو گیا اور اُسے ٹھان لی کہ ایک لڑائی تو اور لڑنی ہے
 اسکے دشمن تو متواتر کامیابوں سے بیفکر ہو گئے تھے اب یہ اُن پر نوٹا
 اور اُنکے پچھلے حصہ کو بالکل تباہ کر دیا اور ۵۷ شجاع مین بائشناسے علمہ چتور
 منڈکڈہ کے سارا سیوان پھر لیلیا چتور سے جو تعلق قطع ہوا تو اُسے ایک نیا دارالسلطنت
 ادسے پور قائم کیا کہ بعد میں اُسکا راج اسی نام سے مشہور ہوا۔ جب ۵۹ شجاع مین
 وہ مراہے تو یسب سی کے قبضہ میں تھا۔ اسکی جگہ اسکا بیٹا امرار ناگدی پٹھیا جس
 زمانہ کا ذکر ہم کر رہے ہیں (۶۰ شجاع) اس میں ہی امرار نا شاہی فوجوں

کی اُن تمام کوششوں کا مقابلہ کر رہا تھا جو وہ میواڑ میں کر رہی تھیں۔

شہزادہ سلیم کو بڑا اچھا موقع تھا۔ جو فوجیں اسکو دی گئی تھیں وہ اسقدر
 کثیر تھیں کہ اگر مستندی سے ان سے کام لیا جاتا تو فتح میواڑ کے لیے کافی ہوتی
 مگر اس کام میں اُسے استدراکم شوقی ظاہر کی کہ اکبر نے اُسے واپس بلا کر اسکی
 نیم خود مختار حکومت پر آلہ آباد بھیجا کہ وہ ان وہ شہوت پرستی اور بھی بُرے مجھے
 کاموں میں مصروف رہا۔ شہزادہ کی اپنی عزت اور اعلیٰ فرض کے خیال سے
 بے پروائی اس درجہ بڑھ گئی کہ اکبر بذات خاص آلہ آباد کی طرف اس امید سے
 روانہ ہوا کہ شاید میری موجودگی سے کچھ اثر ہو۔ مگر وہی منزل چلا تھا کہ اپنی والدہ
 ماجدہ کی سخت علالت کی خبر سنکر واپسی پر مجبور ہوا۔ مگر اسی بات سے کہ باپ نے
 اس خیال سے اگرچہ چھوڑا تھا شہزادہ سلیم کے خیالات و افعال میں انقلاب
 پیدا ہو گیا۔ چونکہ باپ اُسکے پاس تک نہ آسکا تھا اسلئے اُس نے یہ ارادہ کیا کہ
 تھوڑے سے ہڑاہی لیکر خود باپ کے دربار میں حاضر ہو۔ وہاں پہونچکر لطاعت
 انوکری مگر اپنے طریقوں کی اصلاح نہ کی۔ اور اپنے فرزند اکبر شہزادہ خسرو سے جو جھگڑے
 کرتا رہا انکے مضحکہ دربار میں ہونے لگے۔

اس میں شک نہیں باو شاہ اولاد کو اطراف سے خوش نصیب نہ تھا۔

دو سب سے بڑے بیٹے جو تو ام پیدا ہوئے تھے وہ تو خرد سال ہی مر گئے تھے۔ تیسرا بیٹا جو غلطی سے پہلا مشہور ہے شہزادہ سلیم تھا۔ چوتھے بیٹے شہزادہ مراد کا جس طرح خاتمہ ہوا اسکا ذکر ابھی چکا ہے۔ پانچویں بیٹے شہزادہ دانیال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سرد و قد تھا۔ مضبوط جسم پایا تھا۔ وجہ تھا۔ گھوڑوں اور باغیچوں سے بہت شوق رکھتا تھا اور ہندوستانی زبان میں شعر بھی اچھے کہتا تھا۔ مگر وہی بری عادت (سیخواری) اس میں بھی تھی جو اسکے بھائی مراد میں تھی اور قریب قریب اسی زمانہ میں اسی سبب سے اس نے بھی وفات پائی۔ اسکی موت کا اکبر کو بہت عہدہ ہوا کہ اس نے حتی المقدور بیٹے کی کثرت سیخواری چھڑا دینے کی بہت کوشش کی تھی اور ترک کا وعدہ بھی لے لیا تھا۔ اکبر کے بہت سے پوتے بھی دربار میں موجود تھے۔ ان میں سب سے زیادہ چاہیہ شہزادہ حسن تھا کہ بعد میں شاہ جہان کے لقب سے جہانگیر کا جانشین ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ دانیال کی وفات اور اس وجہ نے جو اسکی موت کا باعث ہوئی اکبر کے دل پر بہت اثر کیا۔ اس زمانہ میں وہ علیل تو تھا ہی یہ بات بھی بہت جلد کھل گئی کہ اب اس کی بیماری کا انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ اسکی

اس جو لوگ تھے اُن کے ذہن فوراً جانشینی کی فکر کی طرف منتقل ہوئے
 اسکے بیٹوں میں صرف شہزادہ سلیم زندہ تھا مگر آلہ آباد اور آگرہ میں اور نیز اور
 ہر مقام پر اسکی حرکتیں ایسی ہوئی تھیں کہ اکثر لوگوں کے دل اسکی طرف
 سے پھر گئے تھے اور اسکے بیٹے شہزادہ خسرو کو سب اُمرا یہ سمجھتے تھے
 کہ اسکے نام پر ایک کوئی دہیہ بنیں لگا ہے۔ علاوہ اسکے شہزادہ خسرو جو دھپور
 کی ایک رانی کے بطن سے ہونے کے باعث راجہ مانسنگ سے بھی قربت
 قریب رکھتا تھا اور راجہ مذکور بڑی قابلیت کا آدمی اور سلطنت کا رکن اعظم تھا۔
 اسکی شادی بھی اس مسلمان سردار کی لڑکی سے ہوئی تھی جو فوج میں سب سے
 اونچے عہدہ پر ممتاز تھا اور خود بھی شاہی خاندان سے اس نسبت سے رشتہ
 رکھتا تھا کہ اکبر کی چاہیتی انا کا بیٹا تھا۔ چنانچہ یہ دو بڑے سردار شہزادہ
 سلیم کے محروم کرنے اور شہزادہ خسرو کو جانشین بنانے کی فکرین کرنے لگے
 اس مقصد کے حصول کے واسطے ان لوگوں نے قلعہ آگرہ میں جس
 محل میں اکبر بیمار پڑا ہوا تھا اسکے گرد اپنی فوج کا پہرہ بٹھادیا۔ اگر اکبر بیوقوف
 مہر گیا ہوتا تو ضرور اسکی وفات پر خزانہ جنگی ہوتی کیونکہ سلیم اپنے دعویٰ سے کبھی
 باز نہ آتا۔ مگر جب شہزادہ نے یہ سمجھ لیا کہ کس طرح لوگ میرے خلاف

مل گئے ہیں تو اپنی جان کے ڈر سے وہ اگرہے کچھ دور ہٹ گیا۔ اکبر بڑی جانتا تھا کہ یہ میری آخری عداوت ہے۔ اسکو پریشانی ہوئی کہ ایسے وقت میں شہزادہ کیون غائب ہے۔ اور چونکہ سب باتوں سے زیادہ حق کو پسند کرتا تھا اسلئے اُسنے اپنے امر کو اپنے گرد جمع کیا اور شہزادہ سلیم کو اپنا حقدار جانشین قرار دیا اور یہ امید ظاہر کی کہ شہزادہ خسرو کو حکومت بنگال جاگیر ہو جائے گی۔

اکبر نے جو قدرت حاصل کی تھی اسکا ثبوت کسی اور موقع پر ایسا صریح نہیں ہوا جیسا اس نازک موقع پر ہوا۔ اگر ناراضی کا ایک لفظ بھی اپنے احسان فراموش ماحلف جینے کی نسبت اُسکے مُنہ سے نکل جاتا تو وہ اُسکی مسمومی کے لیے کافی ہوتا۔ بخلاف اُسکے اُسنے جو اُسکے موافق باتیں کہیں تو یہ اثر ہوا کہ بڑے بڑے زور والے اُمرا اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اُسکی خواہش خسرو پر پوری کرینگے اور جو تذبذب اور حیرتیں میں پڑے ہوئے تھے وہ بھی ان ہی لوگوں سے مل گئے۔ وہ فوج کا سب سے بڑا سردار بھی جو شہزادہ خسرو کا خسر تھا اور راجہ مانسنگ سے خسرو کی مدد کرنے کو ساز کر چکا تھا اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اُسنے خفیہ طور پر شہزادہ سلیم سے کھلا بھیجا کہ آپ میری

جواب سے اطمینان رکھیں کہ میں آپ کی مدد کو حاضر ہوں۔ مان سنگھ نے بھی کہ اس خاص نازک وقت میں اسی کا زور سب سے بڑھا ہوا تھا یہ دیکھ کر کہ اب اکیلا بڑ گیا شہزادہ سلیم کے پیام سلام قبول کر لیے اور اسکی اعانت کا بھی وعدہ کر لیا۔ اب جو جانشینی کی طرف سے اطمینان ہوا تو شہزادہ سلیم محل میں گیا اور جان بلب اکبر اسکے ساتھ بہت شفقت سے پیش آیا۔ اس ملاقات کے واقعات صرف اس تذکرہ سے معلوم ہوتے ہیں جو خود شہزادہ نے لکھا ہے۔

شرح کی شفقت کی باتیں ہو چکنے کے بعد اکبر نے یہ خواہش ظاہر کی کہ سب امرا اسکے حضور میں حاضر ہوں اور یہ کہا کہ وہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جو اتنے برسوں سے میری مشقتوں میں میرا ساتھ دے رہے ہیں اور میری عزت میں میرے ساتھی رہے ہیں کسی طرح کی کوئی شکر بخشی باقی رہ جائے۔ جب امرا حاضر ہوئے اور آداب بجالائے تو ان سب کو مخاطب کر کے چند کلمے ارشاد فرمائے پھر باری باری سے ایک ایک کی طرف دیکھ کر باتجا کہا کہ اگر میں نے تم میں سے کسی کا قصور کیا ہو تو معاف کر دینا۔ پھر شہزادہ سلیم روتا ہوا اپنے باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اکبر نے اپنے

حاضرین کو اشارہ کیا کہ میری شمشیر شہزادہ کی کمربن لگا دو اور اسکو سرترج و خلعت شمشاہی پہنا دو اور محل کی بیگمات کو شہزادہ کے سپرد کیا اور فرمایا کہ میرے پرلنے دو ستون اور رفیقون کا خیال کرنا اور انکے ساتھ مہربانی سے پیش آنا پھر سر جھکا لیا اور انتقال فرمایا۔

سلطنت مغلیہ کا بانی مہربانی اس قدر خاموشی کے ساتھ دینا سے چل بسا وہ اپنے باپ اور دادا دونوں سے زیادہ خوش نصیب تھا۔ اُن سے زیادہ مال اندیش اور نئی بات کا اختراع کرنے والا بھی تھا۔ اور یہ بھی کہنا مناسب ہے کہ اُسکو اُن سے بہتر موقع بھی ملے اور اُسنے زندگی ایسی پائی کہ اُسنے ہندوستان کی مختلف قوموں کو اس بات کا یقین دلایا کہ اُنکی حفاظت اور واقعی خود مختاری اور اپنے مذہب اور باپ دادا کے رسوم کی تقلید اسی پر منحصر ہے کہ وہ اس بڑی طاقت کے مطیع رہیں جسکی بدولت اُن کو یہ بے بہا برکتیں حاصل ہو سکتی ہوں۔ اُنکی نظروں میں اکبر کی شان تعصبات سے ارفع تھی۔ کیا اذہک کیا افغان کیا ہندو کیا پارسی کیا عیسائی وہ سب کے لیے یکساں طور پر اپنی زندگی کے بنالینے کے ذریعہ ہم پہونچا دیتا تھا اور شرط صرف یہی تھی کہ وفادار ہوں ہو شیار ہوں اور اپنی بات کے کپے ہوں۔ مختلف قوموں نے یہ بھی مان لیا کہ

اسکی انچاس برس کی سلطنت میں ہندوستان پر کسی ملک غیر کا حملہ نہیں ہوا اور
 جتنے اندرونی دشمن تھے ان سب کو اُس نے مطیع کر لیا۔ کسی کو زور و شمشیر سے
 اور کسی کو صلح کے طریقہ سے کہ وہی اسکو بالطبع مرعوب تھا۔ محمد امین نے اسکی
 وفات کے بعد لکھا ہے کہ ”کل زمین کے عرض و طول میں برابر مضبوطی اور
 ایماذاری کے ساتھ حکومت تھی۔ ہر قسم اور ہر مقام کے لوگ اُسکے دربار میں
 آتے تھے اور سب درجن میں صلح کل ملحوظ رہتی تھی۔ اور اُسکے تحت میں ہر فرقہ
 کے لوگ پورے اطمینان کے ساتھ بستے تھے“ اکبر فرمانروا ہونے کی
 حیثیت سے تو ایسا تھا۔ اب باب آئندہ میں میری کوشش یہ ہوگی کہ یہ
 مکملادون کہ وہ آدمی کس طرح کا تھا۔

۱۵۔ اکتوبر ۱۵۵۶ء کو ایک دن اوپر ۶۳ برس کا ہو کر اکبر نے اس

وارفانی سے رحلت فرمائی۔

بارہوان باب

ایک کے اصول اور اندرونی انتظام

مصنف آئین اکبری نے لکھا ہے کہ ”ہر سہ آبادی از آئین شہار و زی
افسر خود پوایہ و رشود و کہ و مہ کام روا گرد و“

اس کوئی پر لگا کر جانچ کیجیے تو اکبر کے بحیثیت انسان اور نیز بحیثیت
فرمانروا کا میاب رہنے کی وجہ کا منطقی سلسلہ سے پتہ لگ سکتا ہے۔ یہی
بات یہی کہ اکبر منظم تھا۔ بلکہ اسکے انتظام میں دل سے یہ خواہش بھی ہوتی
تھی کہ وہی کیا جائے اور وہی سمجھا جائے جو حق ہو اور اسکی زندگی کے بڑے
کام یعنی اس عمارت کی تعمیر میں مدد ہو جو رعایا کے دلون میں ایسی خبر پکڑ جائے
کہ فرمانروا کی ذات سے کوئی بحث باقی نہ رہ جائے۔ اس سے پہلے کہ ہم
تفصیل کے ساتھ یہ بیان کریں کہ اُس نے اس مدعا کے حصول کے واسطے
ایا کیا طریقے اختیار کیے ہم چند الفاظ اس مضمون کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں
جس پر اس کی مسئلہ کا دار مدار تھا۔ یعنی یہ کہ اُس کے مزاج کی ترکیب کیسی واقع

ہوئی تھی اور بنی نوع انسان کی روحانی حالت کے متعلق معاملات سے اُسکا دل کس طور پر متاثر ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ بڑی تحقیقات اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ اسکا انحصار تمام تر ان باتوں پر تھا کہ اسکے مزاج کی ساخت ایسی واقع ہوئی تھی اور اُسہیں قوت اس بات کی تھی کہ جو خیالات اپنے مذہب والوں سے مختلف ہوں اُنکو بغیر ہٹ دھرمی کے مان لے اور ہمارو دور عایت اُنکی جانچ کرے۔ اور نیز اس بات پر کہ آیا خاص خاص مسلمان جو تعداد میں کل قوم کے مقابلہ میں کہیں کم تھے اس قوم مفتوح میں جو سارے متعصب مسلمانوں کے نزدیک ابراہا بادشاہ بنا ہی میں مبتلا رہنے والی تھی ایسا بھروسہ اور اس طرح کی بھر دی پیدا کر سکتے تھے کہ جو اُنکے تعصبات پر اس درجہ غالب آجائے کہ جو اس سے پہلے کی حالت میں دریافت کرنے پر ناممکن معلوم ہوتا۔ آئین شک نہیں کہ یہ زمانہ ایک ایسی حکمت علی کے نشوونما پانے کے لیے جو اس معاملہ میں لبرل پالیسی کھلائے بہت ناسازگار تھا۔

مسلمان لوگ محض فاتح ہی نہ تھے بلکہ ایسے فاتح تھے کہ جنہوں نے اپنا مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا تھا جس نفرت اور حقارت کی نظر سے اس مذہب کے متعصب لوگ مذہبِ ان کے مذہب کو دیکھتے تھے اُسکا پتہ اس زمانہ کے

ایک سوخ بدایونی کی تحریرات کے ہر صفحے میں ملتا ہے۔ اور یہ نفرت کچھ ہندوؤں ہی کے مذہب کے ساتھ محدود نہ تھی۔ سولے اس طریقہ عبادت کے جو امت محمدی میں جاری تھا اور ہر ایک طریقہ اسی نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اکبر اسی مذہب میں پیدا ہوا تھا۔ مگر وہ محقق دل لیکر پیدا ہوا تھا۔ اسکا دل کسی بات کو بغیر ثبوت ماننے والا نہ تھا۔ اپنی تربیت کے زمانہ میں اسے بہت سے واقعات ہندو راجاؤں کی خوبیوں اور وفا شکاری اور پاک طینتی کے دیکھنے کے ملے تھے جنکو اسکے دربار والے محض اسوجہ سے کہ وہ برہما کے ماننے والے تھے۔ دل ہی دل میں عذاب ابدی کے حوالہ کرنے رہتے تھے۔ اکبر نے دیکھا کہ اسکی رعایا میں بہت زیادہ کثرت ان لوگوں اور ان ہی کے بیچال لوگوں کی ہے اسنے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے لوگ جو بہت اعتماد کے قابل تھے وہ باوجود اسکے کہ یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ بادشاہ کا مذہب اختیار کر لینے سے دنیاوی اعتبار سے بہت کچھ فائدہ ہوتا تاہم وہ اپنے ہی مذہب پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ اس سبب سے اسکا غور کرنے والا دل شروع ہی سے اس مسئلہ کو نہ مانتا تھا کہ چونکہ خود نتائج

و فرمانروائے وقت مسلمان ہے لہذا سارے بنی نوع انسان کے واسطے اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ رفتہ رفتہ اُسکے خیالات الفاظ کا جامہ پہن کر اس طرح زبان سے ادا ہونے لگے کہ ”جب تک میری رہنمائی نہ ہو لے مین کیون نوع انسان کا رہنا ہونے کا دعویٰ کروں“ اور جب اُس نے اور مذہب والوں سے نئے اصول سنے تو اُسکے سچے شکوک اور بھی قوی ہو گئے اور چون اُس کو یہ معلوم ہوتا گیا کہ عام اس سے کہ مذہب کچھ ہی ہو ایک ہی فرقہ کی تقلید میں تنگی بہت ہوتی ہے وہ روز بروز اس اصول سے آشنا ہوتا گیا کہ سب کے ساتھ بے تعصبی سے رہنا چاہیے۔

یہ انقلاب یکایک بنیں ہو گیا۔ مورخ ہدایونی نے جو بڑا کٹا اسلمن تھا اور جسکو ایسے بڑے بادشاہ کے اپنی دانست میں برگشتہ ہو جانے کا رونا پڑا تھا یوں لکھا ہے کہ ”بچپن سے زمانہ بلوغ تک اور سن بلوغ سے ایام ضعیفی تک بادشاہ سلامت پر مختلف حالتیں گزر گئیں اور ہر طرح کے فرقوں کے اعتقادات اور مذہبی طریقے دیکھ ڈالے اور کچھ لوگوں کو کتاہون میں مل سکتا ہے وہ سب انھوں نے جمع کر لیا کہ انہیں انتخاب کا مادہ خاص تھا اور وہ تحقیق کرنے والی طبیعت پائی تھی جو ہر (اسلامی) اصول کے خلاف ہے“

جنانچہ اس طرح کا ایک عقیدہ کہ چند ابتدائی اصولوں پر مبنی تھا ضمیر منیر شاہی کے
 آئینہ میں منعکس ہو گیا۔ اور جو اثر خاطر اقدس پر پڑتے رہے اُن سب کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ قلب مبارک پر یہ نقش کا کچھ ہو گیا کہ ذی شعور لوگ سب
 مذہبوں میں ہوتے ہیں اور اتقا اور اعجاز والے بھی سب قوموں میں پائے
 جاتے ہیں۔ اور اگر صورت حال یہی ہے کہ حق کا علم ہر جگہ ملتا ہے تو کیا
 وجہ ہے کہ حق کسی ایک ہی مذہب یا فرقہ اسلام ہی میں محدود ہو حالانکہ یہ فرقہ
 بمقابلہ اوروں کے بالکل جدید ہے اور مشکل سے ہزار برس اسکی اشاعت
 کو ہوئے ہیں۔ اور کیا سبب ہے کہ ایک فرقہ جس بات کا انکار کرے اُسی
 کی دوسرا تائید کرے اور کیوں اس سے پہلے کہ ایک فرقہ کی برتری مسلم ہو جائے
 اسکو دوسرے پر فوق دیا جائے۔

بدایونی آگے چل کر لکھتا ہے کہ اکبر برہمنوں اور سائینوں سے ملتا تھا
 اور انکی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ مسلہ تاسخ کا قابل ہو گیا۔ مگر اس میں بھی شبہ نہیں
 کہ فیضی اور ابو الفضل جو دو بجائی تھے کہ انھوں نے مثل اُسکے مذہب اسلام
 میں تعلیم پائی تھی انکی صحبت نے بھی بادشاہ کی مذہبی تحقیقاتوں کا رخ پھیرا
 مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ذی اقتدار گرامی شخصوں کا کچھ ذکر

یہاں لکھا جاوے۔ یہ دونوں عربی نسل کے ایک شیخ شیخ مبارک نامی کے بیٹے تھے اور انکے آبا و اجداد راجپوتانہ میں مقام ناگر میں آن بسے تھے۔ شیخ مبارک نے اپنے آبا و اجداد کے مذہبی علوم کو اس طرح تحصیل کیا تھا کہ اسکی ہر شاخ سے پورا پورا ماہر ہو گیا تھا۔ اور خدا وادب سے کربنوالا دل اور ذکی طبیعت پائی تھی اور علم کے ساتھ ساتھ خیالات میں بھی ترقی کی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے لڑکوں کو ایسی تعلیم دی کہ اُن کے تربیت پذیر اور تعلیم پسند دلوں پر حجب گئی اور ان کو ایسا قابل کر دیا کہ چاہے جن لوگوں میں رہیں اُنکے جو ہر حکمت ہی دکھائی دیں۔ بڑا میا شیخ فیضی اگرہ کے قریب پیدا ہوا کہ اسکا باپ شہساز میں اسی جوار میں آبا تھا۔ اس حساب سے وہ اکبر سے عمر میں پانچ برس چھوٹا تھا۔ بادشاہ کے ممالک غرب و شمال فتح کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد شیخ فیضی نے کہ اس زمانہ میں تقریباً بیس برس کا تھا عالم اور طبیب ہو کر وہ زندگی شروع کی جس میں نام و نمود بالکل نہ تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اسکی شاعری کی دھوم ہو گئی۔ وہ خلقی طور پر فیاض دل تھا اور چونکہ طبابت کے پیشہ سے آمدنی کا سہارا تھا اسلئے بہت سے کاخیر اُس سے بن آتے تھے اور اسنے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ غریب کا علاج مفت کرتا تھا۔

مذہبی معاملات میں وہ اپنے باپ کے قدم بقدم تھا اور اسکا بھان
 شیعہ فرقہ کے اصولوں کے طرفن پایا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اُس نے قد
 سے تھوڑی سی زمین کے عطا ہونے کی درخواست کی۔ افسر مذکور نے کہ
 سنی تھا درخواست ہی نامنظور نہیں کی بلکہ محض اُسکے شیعہ ہونے کی وجہ سے
 بہت ذلت اور حقارت کے ساتھ اُسکو اپنے کمرہ سے نکلوا دیا۔ اسی عرصہ میں اسکی قابلیت
 کا شہرہ سنکر اکبر نے فیضی کو اپنی حضوری میں جیتور کے سامنے طلب فرمایا کہ
 اس وقت قلعہ مذکور کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ فیضی کے دشمن تو بہتیرے تھے۔
 خصوصاً وہ لوگ جو کئے مسلمان تھے یا سنی فرقہ سے تھے۔ اُن لوگوں نے
 اس حکم کی یون تاویل کی کہ طلبی سزا دینے کے لیے ہوئی ہے اور حاکم اگر وہ کو
 خبردار کر دیا کہ کچھ فیضی بھاگنے نہ پائے۔ مگر فیضی کو بھاگنے کا خیال بھی نہ تھا۔
 پھر بھی فیضی قیدی کی طرح دربار اکبری میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ ذبیحہ اُسکے
 ساتھ کمال مہربانی سے پیش آیا اور اُسکی طرح طرح کی قابلیتوں پر فریفتہ ہو کر تھوڑے
 ہی عرصہ بعد نوکر رکھ لیا اور شہزادوں یعنی اپنے بیٹوں کو علوم اعلیٰ کی

x قدر ایک افسر ہوتا تھا جو انصاف کی جانچ کے لیے مقرر ہوتا تھا اور یہ بھی مقرر کیا جاتا تھا

کہ وہ کسی کی رو رعایت نہ کرے گا۔ (دیکھو بلاکین صاحب کی آئین اکبری صفحہ ۶۶۸)۔

دوستوں کو اُسکے اس کنال پر حیرت ہوئی تھی کہ کس طرح وہ ایک مشکل
لکھنے والے مصنف کے دقیق طرز تحریر پر اس قدر حاوی ہو گیا کہ اُسکا ہم
خیال بن گیا۔

ابو الفضل کو طلب علم کا شوق فطرتی تھا۔ اس وجہ سے جو اکبر نے
اُسے دربار شاہی میں یاد فرمایا تو کچھ عرصہ تک اُسے موافق جواب نہیں دیا۔
مگر اس طریقہ سے جبکا ذکر اوپر آچکا ہے اکبر اور ابو الفضل کے بڑے بھائی
فیضی سے دوستی بڑھتی گئی اور اس سے اُس دوستی کی بھی راہ کھل گئی
جبکا اکبر کو بہت ارمان تھا اور جب شروع ۱۵۷۵ء میں ابو الفضل فیضی کا
بھائی ہونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا تو اکبر اُسکے ساتھ ایسی خاطر سے پیش
آیا کہ ابو الفضل نے مناسب سمجھا کہ جو ارادہ گوشہ قناعت میں وقار کے
ساتھ بیٹھے رہنے کا کرچکا تھا اس پر بھر غور کرے۔ اس زمانہ میں اسکی عمر کل
تیس برس کی تھی مگر اپنے ملک میں جو علوم کے چشمے سیر تھے اُن سب سے
سیراب ہو چکا تھا۔ وہ خود لکھتا ہے:- ”دشورستان خاطر اعلیٰ مفید
میں آمد گاہ دل نصیحت و انایان خطہ خط کشیدی و گاہ ہرماضیان کوہ لبنان خاطر را
سیریل و پیر آمد سے گاہ شوق بہر یابی لا بہل سے بہت آرام گل گشتے گاہ

ہمنفسی پادریان پر نکال دامن غمیتہم گرفتے گا ہمیشہ نبی موبدان فارس و روم وانی
 رنزد و اسٹا شکیب رہے خاطر شدے چہ دل ارباب صحو و اصحاب سکریا پھش
 کہتے ہوئے اسی زمانہ سے وہ دربار یونین شامل ہو گیا اور اس میں اور اکبرین
 وہ خالص دوستی قائم ہو گئی جو جانین کی ہمد روی اور قدر دانی کے باعث
 سرمایہ لطف حیات ہو ا کرتی ہے۔ ابوالفضل نے بادشاہ کو اپنے سب شاگردوں
 سے زیادہ منع پایا۔ شکار کی خوشیوں میں سلطنت کے افکار میں لڑائی
 کے کام میں اکبر کو اس سے زیادہ تغیر کسی اور کام سے نہیں ہوتی تھی کہ خوشی
 خوشی اُن مناظروں کو سننے جو اسکے معزز دوست اور سلمان قبیہوں میں ہوا کرتے
 تھے کہ وہ اسکی ترویج پر کمر بستہ تھے۔ یہ مناظر بھی اکبر کی سلطنت کا بڑا
 یادگار واقعہ ہیں۔ بغیر اسکے کہ انکا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاوے
 اکبر کے افہام و مزاج کا پتہ چلنا محال ہوگا۔ اکبر کے دل میں وہ بے نقصبی اور
 سب کو یکساں سمجھنے کے اصول جنکے عمل میں لانے کی وجہ سے تاریخ
 ہندوستان میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا یکا یک پیدا نہیں ہو گئے تھے۔
 اپنی سلطنت کے پہلے میں برس تک تو اسے ملک گیری سے اور اپنی سلطنت
 قائم کرنے سے فرصت نہیں ہوئی۔ بنگال بہار اڑیسہ اور مغربی ہندوستان

(جس میں کجرات اور خاندیس بھی شامل تھے) میں یہ حالت تھی کہ مغزول شدہ خاندانوں کے باقی ماندہ لوگ موقع کے منتظر تھے اور چپکے بیٹھنے کے منتظر تھے کہ انکو حملہ کرنے کے لیے مدعو کیا جائے۔ اکبر مجبور تھا کہ آگے بڑھتا رہے۔ پچھلے تجربے اور نیز ان واقعات سے جو روزمرہ اکبر کو پیش آتے تھے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اگر ہندوستان میں اندرونی بہبود رہنی ہے تو اسکے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ سارے ہندوستان کا مالک اعلیٰ ایک ہی ہو۔ اس میں برس کے عرصہ میں اُسے بہت سے اوقات فرصت کے بھی ملے اور اُنکو اُسے اپنے مصاحبوں سے اس مسئلہ پر بحث کرنے میں مشغول کیا کہ کس طرح ایسے نظام سلطنت کی بنیاد ڈالی جائے کہ رعایا سے مفتوح کی ہمدردی سے سلطنت قائم رہے۔ اسکا تو اسکو حق الیقین تھا کہ پرانے طریقہ اب ٹکسال باہر ہو گئے ہیں اور یہ ناممکن محض ہے کہ ہندوستان پر اس طرح تسلط رہے کہ مختلف صوبوں میں فوجیں رکھی جائیں اور بہانہ کے باشندوں کے خیالات اور خواہشات اور پرانے رواج کا کچھ خیال نہ کیا جائے کیونکہ دنیا کی سب قوموں سے زیادہ اس ملک کے لوگ شاعرانہ اور خیالی باتوں پر سر دھننے والے ہیں اور اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کی پیروی پر

جان دیتے ہیں۔

پرانے طریقہ کی چار صدی سے اوپر ہی اوپر آزمائش ہوئی اور برابر ناکامی
 نصیب ہوئی اگر خود قایم کرنے والا ناکام نہ ہوا تو اسکا قریبی جانشین قوضو
 ناکام ہی رہا۔ تاہم اکبر سے پہلے جو سلاطین گزرے ان میں سے کسی نے
 اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے
 نامور واداکو اس ضرورت کی جھلک ضرور نظر آتی تھی مگر اسکو انسی مہلت ہی
 نہ مل سکی کیونکہ اس کے واسطے قیام سلطنت سے پہلے ملک گیری کی ضرورت
 تھی۔ اسکا باپ سب افغان بادشاہوں سے زیادہ اس سعمے کے عمل
 کرنے سے قاصر رہا۔ اُس نے ایک اپنے سے بہتر سپہ سالار سے شکست
 کھائی اور اسکی سلطنت جس نے جڑ نہ پکڑی تھی بالکل نیست و نابود ہو گئی اور اسکا
 نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ غرض اکبر کے دل میں جم گئی تھی کہ ایسے نظام کے
 قایم کرنے کی ضرورت ہے کہ جسکو بقا ہو اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ
 اسکی بنیاد اس اصول پر ہو کہ دونوں جانب سے ایک دوسرے کا لحاظ
 لیا جائے اور قوم و مذہب و رسم و رواج کے تفرقہ جو قایم ہیں وہ جانشین کی
 بے غصبی سے اٹھا دیے جائیں اور یہی طرح ظاہر کر دیا جائے کہ اگر محراب

کا بیچ والا پتھر نکلیجائے تو سارے پتھر جن سے وہ محراب بنی ہوئی ہے
خود بخود گر جائینگے۔ چنانچہ ان ہی خیالات سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں
اکبر اپنے دربار والوں اور قابل لوگوں سے اس مسئلہ پر بحث کیا کرتا تھا
کہ کس طرح ایسا نظام سلطنت قائم کیا جائے کہ قوم حقوق کے دلوں میں بھروسہ
اور اعتبار پیدا ہو۔

ابو الفضل سے ملاقات ہونے سے پہلے اکبر یوپی کے ساتھ اپنی
کوشش سے دست بردار ہو چلا تھا۔ بجائے اسکے کہ کوئی دشمنی
کی صلاح دیجائے اسکو تعصب اور مبہم دھرمی ہی کی تعلیم ہوتی جاتی تھی۔
اسکے بچپن کے زمانہ کے جو صلاح کار تھے ان سے بالکل مدد کی امید تھی۔
اکبر ان لوگوں کے جھگڑوں سے عاجز آگیا تھا اور اس بات سے بیزار تھا
کہ مسلمانوں میں بھی جو مذہبی اختلافات ہوتے تھے انکے باعث یہ لوگ اختلاف
کرنے والوں کی ایذا کے درپے رہتے تھے۔ ابو الفضل کی کشادہ دلیگی کی
تعلیم کا امتیاز ہونے سے پہلے ہی اکبر یہ نتیجہ سمجھ چکا تھا کہ نظام سلطنت قائم
کرنے سے پہلے ان متعصب علماء سے لڑنا پڑیگا جو اسکی سلطنت میں بہت
قاویا فتنے تھے پروفیسر بلا کمین صاحب لکھتے ہیں کہ ”اپنی ہندو رعایا کی قدر

دل میں ہو گئی تھی تو اس زمانہ میں کہ شام کے وقت فتحپور سیکری میں
ضرر پڑیمگر غور کیا کرتا تھا اُس نے یہ رے قائم کر لی تھی کہ اپنی سلطنت
ب کے ساتھ کیا مان برتاو رکھو گا۔ مگر چونکہ علما و فقہاء کے حصہ سے
ہوئے خیالات بجائے مرہم رکھنے کے چکے لگانے پر مجبور
تھے اس لیے اُس نے بلخانہ شہر کے کیے کیونکہ اُسے یقین تھا کہ میں
پر ہون اور بحیثیت بادشاہ ہونے کے دو تحقیق کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا
نہ ہر شخصیت کو رات کے وقت فتحپور سیکری کے ایوان عبادت خانہ میں ہوا
تھے کہ ایوان مذکور اسی غرض سے تعمیر ہوا تھا۔

پچھ عرصہ تک تو ابوالفضل ان صاحبزادوں میں دبا ہوا رہا اور اسی پر خامت
نہ سلمان فرقوں کے علما کو ایک دوسرے جواب میں قاطع و سلیس
با ان فرقوں کے پیشواؤں سے جو تعصب اور تنگدلی کا اظہار
پر ہوتا تھا کہ باوجود اس امر پر شفق ہونے کے کہ ہندوؤں اور کھار
بچا مارو ہے یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے
تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کی طبیعت بیزار ہو گئی۔ اُس نے دیکھا کہ بجا
کے اسلام میں بہت ساری تفریقیں پیدا ہو گئی ہیں نہ اسکی بیزاری

کو اس سے اور بھی زیادہ ترقی ہوئی کہ اُن مختلف فرقوں کے پیشوا ایک دوسرے کے ساتھ بہت بدتمیزی سے لڑتے تھے حالانکہ اُن میں سے بعض بعض سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے۔ اور ایک دفعہ تو مجبور ہو کر سکویہ حکم دیدینا پڑا کہ آئندہ سے جو شخص ایسی بدتمیزی کا مرتکب ہوگا وہ ایوان سے نکال دیا جائے گا۔ آخر کار ایک دن خیرشہنہ کی شام کو کہ وہ شام بھی یادگار ریگی ابو الفضل نے معاملات کی صورت ایسی کر دی کہ فیصلہ ہی پر رہے۔ اس تال اندیشی سے کہ اسکی ضرورت مخالفت ہوگی اُس نے یہ مضمون مناظرہ کے واسطے پیش کیا کہ بادشاہ اپنی رعایا کا محض دنیوی حاکم نہیں ہے بلکہ دینی پیشوا بھی ہے۔

یہ مسئلہ اسلام کے اصل اصول سے متناقض تھا کہ اُسکے مطابق قرآن مجید کو جملہ انسانی احکامات پر فوق ہے۔ ابو الفضل نے یہ مسئلہ اس بنیاد پر پیش کیا تھا کہ اس سے پیشتر جو مسلمان علما کے مناظرے ہوئے تھے تو قرآن کی مختلف آیتوں کی تفسیر ہی میں اختلاف نہیں ہوئے تھے بلکہ رسول عربی کے اخلاقی اوصاف کے بارہ میں بھی خیالات مختلف تھے۔ چنانچہ ابو الفضل کے اس مسئلہ نے طوفان عظیم برپا کر دیا۔ جتنے علما و فضلاء جمع

تھے سب سمجھ گئے کہ یہ قسطلام کے بڑے اصول پر عمل کیا جا رہا ہے اور جو زیادہ انجام بین اور بے نصیب تھے انھوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ ہمارے بچھلے مباحثوں ہی نے انتہا درجہ کے صاف قانون اور اعلیٰ درجہ کے عقیدہ کی مضبوط دیواروں کو توڑا ہے۔

مگر وہ ایسے مسئلہ سے کس طرح اختلاف کرتے جبکہ اثر اکبر کے اختیارات پر پڑتا تھا اس شکل کے حل کرنے کو ان لوگوں نے جو فیصلہ کیا اس سے وہ تو مصیحت ہی کہتے رہے مگر دراصل اس سے اس مسئلہ کو بالکل ہی مان لینا پڑا۔ ایک مختصر طیار ہوا اور اسکی رو سے بادشاہ حاکم عادل قرار پایا اور اس طور پر مجتہد کے درجہ کی فضیلت اسکو ملی یعنی یہ کہ اسلام کے متعلق جتنے امور ہوں اس میں اسکا حکم مختتم قرار پایا۔ اس مجتہد مان لینے سے ہوا افضل کا جو مطلب تھا وہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ محض کی رو سے ”بادشاہ عادل کی عقل پر قانون کا دار مدار ہو گیا اور سب علماء و فقہاء نے معاملات

۱۰ بلاکین صاحب نے اپنی آئین اکبری کے صفحہ ۱۲۱ میں اس محض کی بابت لکھا ہے کہ ”اسکا
 ال مذہبی تاریخ میں یہ محض بالکل جدید تھا۔ اور اسکی نقل بھی صاحب ممدوح نے اپنی مشہور
 کتاب کے صفحہ ۸۶ میں درج کی ہے۔

فریبی من اکبر کے احکام کو مستحکم مان کر انکے بموجب عمل کرنے کا اقرار کر لیا۔

ابو الفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے کہ اس محضر سے بڑے عمدہ عمدہ نتیجے پیدا ہوئے۔ ”مختبین از فرونی شناسائی بارگاہ مقدس مجمع دانشوران مل و نخل آمد و از انجا کہ ہر این شایستگی چند با خود دارد ہر کہ ام نصیبہ آفرین بر گرفت و از فرط انصاف گری نکو ہیدگی هیچ طائفہ پر وہ بات نیکوان نتوانست شد۔ و دشم ہنگامہ صلح کل در پیشگاہ خلاف رونق پذیرفت و گرد ہا گردہ مردم با گوناگون احوال کا مروای صورت و معنی گفتند۔ سوئم تباہ شرتی و کج گرای فرومایگان روزگار از حیرت پی حق سگالی گہان خدیوہ در کتر زبانی شرمسار نادانی آگستہ بچاہ گری ایام بے دانشی تگاہ پوے نمودند و بسیاری کمیفکر دار خویش و شکنجہ ناکامی فرو شدند۔ یہاں یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ دو مسلمان فرقوں کے پیشوا جو اس گردہ کے سرغنہ تھے جو غیر عقیدہ والوں کو ایذا دینے کا حامی تھا انکو اس محضر پر دستخط کرنا بہت شاق ہوا مگر جبراً قہراً دستخط کرنے ہی پڑے۔ بخلاف اسکے ابو الفضل کے باپ نے کہ وہ مذہب اسلام کے سارے دو مائق کو از بر کیے بیٹھا تھا اور اسکے مختلف فرقوں کے علوم سے ماہر تھا خوشی و دستخط کر کے انما زیادہ لکھا کہ اکبر این امر است کہ من بجان و دل خواہان و از

کے باز منتظر آن بودم۔

اس محضر پر دستخط ہو جانے سے اکبر کی زندگی اور سلطنت میں انقلاب عظیم۔ یہ بچلا موقع تھا کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا۔ بے تعصبی کے خیالات اور اپنے عقاید کے استخفاظ کی راے جو اسکے دل میں تھی اب وہ اسکی بخوبی کر سکتا تھا۔ اب وہ ہندوؤں پارسیوں اور صیائیوں کو اپنے میں شریک کر سکتا تھا۔ وہ اپنے اُس ارادہ کی بھی تکمیل کر سکتا تھا سے اُسے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اس ملک کے راجاؤں کے واگرہ کی حکومت مرکزی سے وابستہ کر دے۔ سچ پوچھیے تو یہ محضر اسکی کامیگنا چارٹا تھا۔

مجھے امید ہے کہ ناظرین معاف فرمائیں گے کہ میں نے اس محضر کے دینے کا حال کسی قدر طوالت کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ اسی محضر کی و شاہ کو یہ بات حاصل ہوئی تھی کہ آئندہ اپنے قوانین نافذ کرے لام کے تنگ قیوم سے باہر نکال سکے۔ اسی کی بدولت ابوالفضل بن گئی۔ یعنی یہ اکبر اور ابوالفضل میں ہمیشہ کو رہنے والی دوستی۔ بخلاف اسکے اسی محضر کا یہ بھی اثر ہوا کہ سب تعصب لوگوں کو ابوالفضل

سے نفرت ہو گئی اور انجام کار راسی کی بدولت جیسا کہ ہم پہلے باب میں ذکر کر چکے ہیں وہ قتل بھی ہوا۔

اکبر کو جو اختیار اس طور پر حاصل ہوا اس سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کو درست کیا اپنے سپہ عدل کو جو بہت غلام سنی تھا اور جس نے اپنے اختیارات سے یہ کام لیا تھا کہ شیعوں کو اور اوس سب غیر عقیدہ والوں کو جہنم ابو الفضل کا بھائی فیضی بھی شامل تھا تنگ کرتا رہا تھا ظاہری طور پر بغزت تمام مکہ کو جلا وطن کیا۔ ایک اور ذی رتبہ عہدہ دار کو کہ وہ بھی ایسا ہی متعصب تھا اسی طرح کا حکم ملا اور یہ قاعدہ سب کے ذہن نشین کر دیا گیا کہ قانون جملہ اختلافات مذہبی کو نظر انداز کر گیا اور سب آدمی عام اس سے کہ وہ سنی ہوں یا شیعہ ہندو ہوں یا مسلمان کیسا نہ سمجھے جائیگا مختصر یہ کہ جو مسئلہ ناظم فوجداری یا عامل دیوانی کے سامنے پیش ہوگا اُس میں مذہب کو کوئی دخل نہ ہوگا۔

اسی زمانہ سے یہ دونوں بھائی فیضی اور ابو الفضل تدابیر استحکام و قیام سلطنت میں اکبر کے خاص مشیر ہو گئے۔ اُس نے ان دونوں کو جنگی خدمات پر مامور کر دیا کہ اسی خدمت کی بدولت دربار میں اعلیٰ ورجہ کی وقعت نصیب ہوئی۔

ہو سکتی تھی۔ یہ دونوں اکثر یلغاروں میں بھی اکبر کے ہمراہ رہتے تھے اور ان کے
مالگزاری کی اصلاح کی تدبیریں بھی بتلاتے تھے اور بادشاہ کو صلاح دینے اور
اسکی رائے کی تائید کرنے کو بھی آمادہ رہتے تھے۔

اس عرصہ میں تقاضائے زمانہ کے مطابق اور اپنی محکوم رعایا کے
حیالات کے لحاظ سے اکبر ایک ایسا مذہبی طریقہ مرتب کر کے شائع کرنے کی
طیاری کر رہا تھا جسکو وہ سمجھتا تھا کہ میری رعایا کے بیشتر حصہ کو مرغوب ہوگا۔
اس طریقہ کا جو دین الہی کے نام سے موسوم تھا لب لباب یہ تھا کہ خدا کو
ایک مانو اور اکبر کو اسکا خلیفہ یعنی دنیا کا نائب الہی جانو۔ اسلامی مسازین
اٹھادی گئیں کہ تنگ بہت ہیں اور سمجھ میں نہیں آتی ہیں اور بجائے اُنکے وہ
نمازین قائم ہوئیں جو بہ نسبت اسلامی نمازوں کے زیادہ عام طرح کی تھیں اور
پارسیوں کے طریقہ پر مبنی تھیں اور رسوم عبادت ہندو کے طریقہ سے
اقتباس کی گئی تھیں۔ جملہ کاغذات سرکاری میں اور نیز شاہی جلسوں میں نئے
سندہ تاریخ قائم ہوئے کہ یہ بالکل پارسیوں کے طریقہ کے مطابق تھے۔
ان باتوں پر مسلمانوں کی طرف سے کھلے خزانے تو کچھ زیادہ مخالفت نہیں
ہوئی مگر جو متعصب اور کٹے مسلمان تھے وہ اپنے دلوں میں اس شخص سے

بہت سخت نفرت کرتے تھے جبکہ بادشاہ کا خاص صلاح کار سمجھتے تھے۔

حلاوہ اسکے ہندو راجاؤں اور سرداروں کا فوج کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز

ہونا اور دربار میں اونچی جگہ پانا بھی ان لوگوں کو بہت شاق تھا۔ انکو اس سے

کچھ بحث نہ تھی کہ جبکہ انہوں نے اس مانسنگہ ٹوڈرل اور بیربل سے لوگ غیر معمولی

قابلیت ملے ہیں۔ آخر یہ لوگ ہندو تھے۔ اور محض اس وجہ سے کہ ہندو

تھے مسلمان مورخوں کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ جہاں کہیں انکا نام آئے وہاں انکے

مذہب پر طعنہ نہ دین یا عہقی میں جو کچھ انکا حال ہونا ہے اسکا ذکر نہ کریں۔

یہ امر کہ اکبر کے دل میں تحقیقات کا شوق تھا اس بات سے ظاہر ہوتا

ہے کہ انہوں نے یہاں تک کہ پر نکال ملے جو گواہین آں کر آباد ہوئے تھے انکے

مذہب کی معقول معلومات حاصل کرے۔ چنانچہ فیضی کو حکم ہوا کہ انجیل کا صحیح

ترجمہ فارسی زبان میں کر کے پیش کریں اور ایک مسیحی جاسلیق پادری روڈلفو کو ایوان

نامی مشنری کو گولڈے اگرہ بلایا۔

پادری مذکور کے اگرہ لانے کے زمانہ ہی کا ذکر ہے کہ ایوان عبادت خانہ

میں وہ مشہور مذہبی مناظرہ ہوا جس میں قابل قابل مسلمان حکما و فقہاء و پیرمذہب

و تاسخ کے ماننے والے ہنود و عیسائی و یہودی و زرتشتی بیٹے پارسی

نے باری باری سے تقریریں کیں۔ ابو الفضل نے اسکا قصہ یوں لکھا ہے کہ وہ ہر شخص بے خوف اپنے اپنے اصول اور دلیلیں بیان کرتا تھا اور بہت بہت دیر تک بہت سرگرمی کے ساتھ بحث مباحثے ہوتے تھے۔ ہر فرقہ والے اپنے غور و پندار کے باعث اپنے مخالفوں کے بیانات پر معترض ہوتے تھے اور انکی تردید کرتے تھے۔ ایک رات عہدِ تختانہ پادری روڈو لفنو کے قدمِ مہینت لزوم سے منور ہوا کہ شیخ عقیل و فراست میں تمام حکماء مسیحی میں لانا ہی تھا۔ بہت سے نکتہ چیں متعصب لوگ پادری مذکور سے جھڑ گئے اور اسکا نفع اگیا کہ سب لوگ جو جمع تھے وہ غور و انصاف کے ساتھ بلارور رعایتِ ہندی راے ظاہر کریں۔ ان لوگوں نے وہی پُرانے اصول پیش کیے جنکو زمانہ مابین سے مانتے چلے آتے ہیں اور عقلی دلائل سے حق کے دریافت کرنے کی کوشش نہ کی۔ انکی تقریروں کی خوب خوب و جھیمان اڑیں اور قریب قریب مذامت کے وجہ کو پہونچ گئے۔ تب انھوں نے انجیل کے اختلافات پر اعتراض کرنے شروع کیے مگر اپنے اعتراضات کے ثابت کرنے سے قاصر رہے۔ پادری صاحب بہت خاموشی کے ساتھ اپنے برسرِ حق ہونے پر بھروسہ کر کے ان کی دہلیوں کے جواب دیتے رہے اور پھر یوں گویا ہوئے کہ اگر ان لوگوں کی

ہجاری کتاب کی نسبت یہ رائے ہے اور اگر انکو قرآن کے کلام الہی ہونے کا یقین ہے تو اگ روشن کیجائے اور میں انجیل ہاتھ میں لیکر اور علما اپنی مقصد کتاب میں ہاتھ میں لیکر اس آزمائش کے مقام میں ورتیں جھوٹ سچ آپ ہی کھل جائیگا۔ یہ قلب کم ظرف مقرر اس تجویز پر بدبینی جھانکنے لگا اور نا اہل اتفاق سے جواب دینے لگے۔ اس تعصب اور زیادتی سے بادشاہ کا قلب صافی نہ رہ گیا اور اتنا مایوس و دانش سے یوں ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی محض ظاہری طور پر اسلام کا قائل ہو اور ولی اعتقاد نہ ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا میں نے بہت سے یرمہنوں کو اپنی طاقت کے خون سے اپنے آب و اجداد کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ مگر اب کہ میرا دل حق کی شعا عوں سے منور ہو گیا ہے مجھے اسکا پورا یقین ہے کہ ہٹ و دھرمی و رخدی کا تاریک ابر تھارے دلوں پر چھایا ہوا ہے اور بغیر ثبوت کی مشعل کے ایک قدم بھی آگے بڑھنا محال ہے۔ طریقہ وہی اچھا ہوگا جسے ہم عقل سلیم کے اتباع پر اختیار کریں۔ مذہبی آیات کا پڑھنا جانتھنا کرنا یا خوف شاہی سے سرسجدہ ہونا خدا کے سامنے کچھ کام نہ آئے گا۔ عبادت کے معنے پر نہیں ہیں کہ آدمی سجدہ زمین بوس کیا کرے۔ خلوص کو اپنا شیوہ کرنا چاہیے۔

کیونکہ صدق کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا۔

اس مباحثہ اور عینائی پادری کی آگ سے جانچ کو ننگی تجویز کی بابت جو چاہیے کہا جائے مگر کم سے کم اس لحاظ سے تو ضرور اسکو اچھا سمجھینگے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایوان عبادت خانہ میں پوری آزادی کے ساتھ مباحثے ہوتے تھے اور نیز اسکا پتہ چلتا ہے کہ اکبر کی طبیعت کا رجحان کس طرف تھا۔ واقعی بات یہ ہے کہ اُس نے عقل کی رہبری سے سب مسلم مذہبوں اور طریقوں کی جانب سے اعتقاد اٹھا دیا تھا۔ بجائے اُن طریقوں اور مذہبوں کے وہ صرف قادر مطلق و آفریدگار عالم کا قایل تھا اور اپنے تئیں یہ سمجھتا تھا کہ اس دنیا میں خدا کا نائب اور سب سے زیادہ ذی اختیار میں ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ خدا کے احکام کریم یعنی بے تعصبی عدل گستری اور ایسی آزادی عقاید کو جو دوسروں کی جان کو معرض خطر میں نہ ڈالے اس دنیا میں پھیلا دوں۔ مسلمانوں کے ساتھ وہ بہت سخت تھا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جو مذہب سربراہ اور وہ ہوتا ہے اسکے علمائے مذہب ہمیشہ ایذا رسانی کی طرف مائل رہتے ہیں۔ مگر سنا سب کی تھا اور چونکہ سب میں اس خطرناک نقص کا رنگ پاتا تھا کہ ہر فرقہ کے متعصب علمائے دین قادر ذوالحال کی راہمی و کریمی

دیکھان فیض گسٹری کی صفات میں بٹہ لگاتے تھے اسلئے وہ سب کے خدا کے

سامنے سر جھکاتا تھا مگر سب کے پیشوایان دین سے نفرت کرتا تھا۔

لوگوں نے اُسکو مجوسی بھی مشہور کیا ہے کیونکہ وہ آفتاب کو ذات الہی کا

مظہر مانتا تھا اور ہمیں تو شبہ بھی نہیں کہ پارسیوں کے طریقہ کی سادگی کے جانب

ہسکوت بھجان تھا۔ خود جو آئین اُسے جاری کیا تھا اس میں علماء دین کو کوئی

اہل نہ تھا۔ وہ اپنے تئیں اس دنیا میں نائب خدا سمجھتا تھا اور ہر مذہب کا

بہترین حصہ اقتباس کر لیا تھا تاکہ مذہب کے ذریعہ سے سب کو مد ملے نہ

یہ کہ وہ دوسروں کی ایذا رسانی کا ذریعہ ہو۔ اُسکے آئین کا رتبہ عالی اسی طرح

اُس زمانہ کے لوگوں کی عام فہم و فراست سے کہیں بالاتر تھا جیسے کہ اُسکے

بلند علمی خیالات تھے۔ ساری دنیا کو اپنا بیجا مال کر لینے کے لیے یہ ضروری

تھا کہ اکبر کا جانشین بھی کوئی اکبری ہوتا۔ یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ اُسکا مرنے کے بعد اُسکا نظام ملکی رفتہ رفتہ پھر اُسی پرانے اور تنگ جوت

تعلیق جاگسا جس میں سے کہ اُس نے اپنے باہر نکالا تھا اور اُسکا آئین مذہبی و اُسکے

ساتھ ہی فنا ہو گیا۔ اُسکے بعد جو اُسکے دو جانشینوں نے سلطنت کی وہ مسلمان

ضرور تھے مگر بہت کٹے نہ تھے۔ تاہم اسی زمانہ سے غیر مذہب والوں کی

ایذا رسانی نے پھر زور پکڑا اور اکبر اعظم و عاقل نے جو اچھے کام کیے تھے ان سب پر پانی پھیر دیا اور جو اصول اس خاندان کی جان تھا اس میں نوال آنے لگا اور اُس قوم کی حکومت کے لیے مصالح جمع ہونے لگا جس نے پھر اکبر کے ہمیشہ قائم رہنے والے اصول یعنی سب کے ساتھ یکساں مدد گستری اور بے تعصبی سے برتاؤ رکھنے کو پھر از سر نو تازہ کیا۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اکبر آزادی عقاید کو اس حد تک جائز رکھا تھا کہ دوسروں کی جان معرض خطر میں نہ پڑنے پائے۔ ہندوؤں کی رسم سستی کے متعلق جو کچھ اُس نے کیا وہ اس بات کا پورا ثبوت دیتی ہے۔ اسکے بتانے کی تو ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ لفظ ”ستی“ کا مراد اردو زبان میں ”پاک اور سچا ہے“ اور سستی اُس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر کی بخش پر اپنے سین جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ اہل ہندو کے اونچے درجہ کی عورتوں میں یہ رسم ہندو عرصہ دراز سے چلی آتی تھی کہ اسکی پابندی نہ کرنے سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ گویا بیوہ کی پاکدامن زندگی میں اپنے آپ دھبہ لگا لیا جائے۔ پھر بھی جان بہت پیاری ہوتی ہے۔ بیوہ کو اپنی نیکی پر بھروسہ ہوتا تھا۔ اور وہ ایک خیالی بات پر اپنی جان قربان کرنی پسند نہ کرتی تھی۔ اور کبھی کبھی کھلم کھلا چتا پر چڑھنے میں

آمل کا اظہار ہوتا تھا۔ ایسی حالتوں میں اکثر یہ ہوتا تھا کہ پوجا باری لوگ اُسے ترغیب دیکر آمادہ کرتے تھے۔ کبھی عذاب آنحضرت کی دھمکیوں سے کام لے کر کھلتے کبھی اخلاقی باتوں سے اُسکا دل بڑھاتے اور اسکو رضا مندی کے سیدھے دھم سے پرلے آتے۔

اکبر کی رحم دل طبیعت ایسی باتوں سے نفور تھی اور جس جس طرح اس سے بن پڑا اُسے اس دستور کو اٹھا دینے کی فکر کی۔ راجپوتانہ کے راجے اس رسم کو بڑی عنایت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اکبر کے تعلقات اُن راجاؤں کے ساتھ ایسے تھے کہ اس سے یہ نہیں بن پڑتی تھی کہ اُن کی قدیم الایام رسوم کی جواب مذہبی احکام کی طرح سمجھی جاتی تھیں اس درجہ مخالفت کو کہ اگر بیوہ دراصل اپنی جان دینے پر آمادہ ہو تو بھی اُسکی ممانعت ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح کی ممانعت کرنے کے لیے ایک زمانہ درکار ہے تاہم جو آزادی کے اصول میں قائم کر رہا ہوں اُنکی روشنی چھین چھین کر محلوں کے اندر دینی حصوں میں بھی پہنچ جائے۔ تاہم یہ فرمان اُسے جاری کر دیا تھا کہ جو بیوہ اپنی جان فدا کرنے میں ذرا سا بھی ہچکچائے وہ سستی نہ ہو۔

اکبر نے محض لفظی فرمان پر قناعت نہیں کر لی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے

کہ وہ حمیر میں تھا اور سکراز و اسجمل راجہ بہاری مل والی امیر کا بھتیجا امر کا
 جنگال کے پاس سفارت پر گیا ہوا تھا۔ خبر آئی کہ جے مل نے چوسہ میں وقت
 پائی۔ جے مل اکبر کا بڑا رفیق تھا کیونکہ راجپوتانہ کے سرداروں میں اسی نے
 سب سے پہلے شرف ملازمت حاصل کیا تھا اور ہمیشہ سچی خیر خواہی کے
 ساتھ خدمت کرتا رہا تھا۔ اسکی شادی راجہ اوسے سنگھ والی جو دھپور کی بیٹی سے
 ہوئی تھی اور یہ رانی بڑی مضبوط طبیعت کی عورت تھی۔ جب شوہر کے مرنے
 کی خبر آئیں پہونچی تو رانی نے سستی ہونے سے بہت زور کے ساتھ انکار کیا۔
 شاہنشاہی فرمان کے بموجب اُسے پورا حق اپنے اختیار تمیزی کو کام میں لایا
 حاصل تھا۔ مگر جب اُس نے اس اختیار سے انکار کا کام لیا تو اُسکے خلاف
 سب نے اور سب سے بڑھکر اُسکے بیٹے نے بے حد شور و شہ مجایا تو یہ
 بھڑی کہ رانی کو جبراً لکڑیوں کے انبار پر لیجائیں۔ اکبر کو اسکی خبر لگی اور اُس نے
 بھی ٹھان لی کہ یہ ظلم نہ ہونے دوں گا۔ وہ بہت وقت سے پہونچا۔ انبار میں
 آگ لگ چکی تھی کہ اُسکے آدمیوں نے جن میں متوفی کا چچا بھی تھا موقع
 پر پوچھ کر اُسے سنگھ کو گرفتار کر لیا اور جو مجمع ہو گیا تھا اُسے منتشر کر دیا
 رانی کی جان بچائی۔

اکبر کو اپنے لائق اور آزاد خیال دوستوں یعنی فیضی اور ابوالفضل سے تو بہت زیادہ انس تھا ہی۔ ویسے بھی جو لوگ سچے دل سے حصول علم کے شائق ہوتے تھے اور تعلیم کی طرف باطبع راغب تھے انکی ہمت بڑھاتا رہتا تھا۔ اُسے تصنع اور ریاکاری سے نفرت تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں اُس پر کھل گیا تھا کہ میرے دربار میں جو علماء ہیں وہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں جب انکی حالت معلوم ہو گئی تو اسکا دل انکی طرف سے پھریا اور اُس نے ٹھان لی کہ انکی ریاکاری کی قلمی کھولنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا۔

پروفیسر بلاکین صاحب لکھتے ہیں کہ ”وہ کشتی شخص کے غرور اور خود پسندی سے درگزر نہ کر سکتا تھا۔ اور غرور کے سب اقسام میں اسے علم کے غرور سے سخت نفرت تھی۔“ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اسکے اس طرح کے افعال سے متاثر ہوئے انھوں نے یہ مشہور کیا کہ اکبر کو اشاعت علم ناپسند تھی اور علماء سے نفرت کرتا تھا۔ ہرگز اسنے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ہندوستان میں اُس سے زیادہ حق بات کا پھیلانے والا آج تک تو کوئی ہوا نہیں۔ اس مخصوص میں آج کل کے فرمانرواؤں کو اسکی مثال سے تمتع اٹھانا چاہیے۔ ایک شخص جو اسکے زمانہ میں تاریخ دانی میں یکملے روزگار تھا اور جو بڑی قابلیت کا آدمی تھا

اور تحقیق کرنے والی طبیعت پائی تھی وہ اسکی چاہنیتی اتنا کامیاب تھا کہ عظیم مرزا
 تھا۔ ایک عرصہ دراز تک یہ شخص بہت غلو کے ساتھ مذہبی عقاید پر جبار رہا۔ اور
 اکبر کے ”مذہب جدید“ کا مضحکہ اُڑایا کرتا تھا اور بالخصوص فیضی اور ابو الفضل
 کی بہت تضحیک کرتا تھا اور انکے نام ایسے بگاڑ کر رکھے تھے کہ جن سلطان کی
 سرکاری کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر آگے چل کر اُسے حج بیت اللہ کا اتفاق ہوا اور وہ ان
 علمائے دین نے اسے ایسا لوٹا کہ اسلام کے ساتھ جو شغف اُسکو تھا وہ خود
 بھٹو دھنڈا ہو گیا۔ اگر وہ واپس آکر وہ بھی دین الہی کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔
 نظم و ضبط لکھتا تھا اسکی دانشمندی اور تقریری کی روانی مشہور ہے۔ اسکے مینما
 لطائف میں سے ایک لطیفہ آج تک مشہور ہے اور وہ یہ ہے: ”آومی کو
 چار پیمان کرنی چاہئیں۔ بات چیت کے لیے ایرانی۔ خانہ سالانی کے
 لیے خراسانی۔ بچوں کے پالنے کو ہندوستانی۔ اور چوتھی مادر النہر
 کی ترکانی کہ اُسکو مارتے دھاڑتے رہیں تو اور بیبیان ڈرتی رہیں۔“

اکبر کی ملازمت میں سب سے زیادہ قابل جنگی بہادر اور سب سے زیادہ
 فیاض شخص اُسکے پرانے امالیق بیرم خان کا بیٹا مرزا عبدالرحیم تھا۔ یہ شخص
 کئی برس تک خانخانان کے منصب پر ممتاز رہا خانخانان کے لفظی معنی تہ

امیر الامراہین مگر عمدہ مذکور کما بظہر الانجیف کے عمدہ کے برابر تھا۔ مگر جس
 لیاقت کا مرد میدان تھا اسی فضیلت کا عالم بھی تھا۔ تو زک با بری جسکا
 ابو الفضل نے ”عقل علی کا قانون“ خوب نام رکھا ہے۔ بابر نے ترکی زبان
 میں لکھی تھی۔ مرزاے موصوف نے فارسی میں ترجمہ کیا کہ زبان مرو جہ دبا
 فارسی ہی تھی۔ اور اکبر کے حضور میں نذر گزرائی۔ اور مصنفوں میں مورخین
 سدرجہ ذیل بہت زیادہ نامی ہیں۔ نظام الدین احمد عصف طبقات اکبری
 حسین اکبر کی سلطنت کے حالات ہیں۔ مصنفین تاریخ الفی جو اسلام کی
 ہزار سالہ تاریخ ہے۔ اور سب سے بڑھا ہوا وہ متعصب مورخ عبدالقادر
 بدایونی ہے جس نے تاریخ بدایونی تصنیف کی اور تاریخ کشمیر کو ترتیب
 دیا اور نظر ثانی کی۔

بدایونی بڑا نامی آدمی تھا۔ عمر میں اکبر سے دو برس بڑا تھا بچپن سے
 بہت سے علوم اپنے زمانہ کے بڑے مشہور عالموں اور زاہدون سے
 حاصل کیے تھے۔ موسیقی و تاریخ و نجوم میں صاحب کمال تھا۔ اس کی
 خوش الحانی کی بدولت جمعہ کو دربار کی امامت کی خدمت اسکے متعلق ہو گئی
 تھی۔ چالیس برس تک بدایونی شیخ مبارک اور اسکے بیٹوں فضلی اور ابوالفضل

کے ساتھ دربار میں رہا۔ مگر ان لوگوں میں آپس میں بھی دوہسی نہ تھی کیونکہ
 بدایونی بڑا کٹا مسلمان تھا اور وہ ہمیشہ ان لوگوں کو رافضی سمجھتا رہا۔ اکبری
 فرمائش سے بدایونی نے رامین اور نیزمہا بھارت کے کچھ حصہ کا ترجمہ
 سنسکرت سے فارسی زبان میں کیا۔ اسکی تاریخی تصنیف جسکا ذکر تاریخ بدایونی
 کے نام سے اوپر آچکا ہے اور چوٹا دیلپنے دوسرے نام منتخب التواریخ
 سے زیادہ مشہور ہے خاص کر اس اعتبار سے زیادہ قابل قدر ہے کہ
 اس میں اکبر کے مذہبی خیالات اچھی طرح دکھلائے ہیں اور دربار اکبری کے نامی
 آدمیوں کے تذکرے لکھے ہیں۔

بدایونی بادشاہ سے تقریباً گیارہ برس پہلے مرا۔ اسکی مشہور تصنیف
 جسکے انھامین وہ احتیاط مبلغ کرتا تھا جاگیر کی سلطنت کے زمانہ سے پہلے
 ظاہر نہیں ہونے پائی۔ متعصب مسلمان جو اکبر کی نئی نئی باتوں سے نفرت
 کرتے تھے اس کتاب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور چون چون وہ نئی نئی باتیں
 اٹھتی گئیں اور وہی پرانی غیر مذہب والوں کی ایذا رسانی پھرتے سرے
 جاری ہوتی گئی اس کتاب کی قدر اور بڑھتی گئی کہ اسکے ذریعہ سے ان مچلی باتوں
 کے خیالات نازہ ہوتے تھے۔

اور لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنی قابلیت اور محنت اور علم سے
سلطنت اکبری کی ترقی علم کی شان بڑھائی۔ مگر شاید یہاں ان لوگوں کا ذکر
کرنا غیر ضروری ہوگا۔ آئین اکبری میں جو ایسی کتاب ہے کہ کبھی اسکا نام فنا
نہ ہوگا اس طرح کے چھوٹے بڑے سب لوگوں کی پوری فہرست موجود ہے
لیکن بادشاہ نے جو اپنی ذات خاص سے علوم و فنون کی اشاعت کو ترقی
دی اُسکے متعلق چند الفاظ لکھنے ضروری ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو
اس طرف بہت توجہ تھی کہ اپنی سلطنت کے باہر سے کتابیں منگوانا کر اپنے
کتب خانہ میں جمع کرے۔ اور ہندوؤں کی اصلی کتابوں اور ترجموں سے
بھی بہت شوق تھا کہ یہ کتابیں جمع کرتا رہتا تھا اور فارسی زبان میں ترجمے
بھی ہوتے جاتے تھے۔ مصنف آئین نے لکھا ہے کہ اس کتب خانہ
کے کئی حصے تھے۔ ”کچھ کتابیں سر کے اندر رکھی ہیں۔ کچھ باہر ہیں۔ پھر
کتابوں کی قدر و قیمت اور انکے علوم و فنون کے مضامین کے لحاظ سے
کتب خانہ کے ہر ایک حصہ کی علیحدہ علیحدہ تقسیم ہے۔ نثر۔ نظم۔ فارسی۔
یونانی۔ کشمیری۔ عربی۔ الگ الگ رکھی ہیں۔ اور اسی انتظام سے ان کی
موجودات لی جاتی ہے۔ اہل دانش روز کتابیں لاتے ہیں اور جہاں پناہ

کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ شروع سے آخر تک ہر کتاب کو سنتے ہیں۔ جس صفحہ پر پڑھنے والے ٹھہر جاتے ہیں جہاں پناہ دست خاص سے صفحوں کی تعداد کا نشان بنا دیتے ہیں۔ اور جتنے ورق جسے سنائے ہیں اسی کے حساب ہے اُسکو نقد یا زر و سیم انعام ملتا ہے۔ مشہور کتابوں میں بہت کم ایسی ہو گئی جو جہاں پناہ کے حضور میں پڑھی نہ گئی ہوں۔ اور گزشتہ زمانہ کی تاریخی سرگزشتیں علوم کے عجائب و غرائب یا حکمت و فلسفہ کے دلائل و نکات ایسے نہ تھے جن سے جہاں پناہ کہ بے تعصب و ناؤن کے سرغنہ میں ماہر نہ ہوں۔ اس کے بعد ایک لبنی چوڑی فہرست ان کتابوں کی دی ہوئی ہے جو جہاں پناہ کو بالطبع مرغوب تھیں۔ ان میں سے بعض وہی کتابیں ہیں جنکا ذکر ہم اوپر کے صفحات میں لکھ چکے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ اس بات کے دکھلا دینے کے واسطے کافی ہے کہ اس سلطنت کی تاریخ پر انہماک و توجہ و ماہرین فنون کا کس قدر اثر پڑا۔ یہ اثر برابر قائم رہا اور خصوصاً دونوں بھائیوں فیضی اور ابو الفضل کا اثر ان کی زندگی بھر رنگ کھاتا رہا۔ ابو الفضل کا اثر اُسکے مرنے کے بعد بھی قائم رہا کیونکہ جو تعلیم اُس نے دی تھی اسکی وجہ سے اُسکے آقا کے قدرتی

جو ہر طبیعت اور بھی راسخ ہو گئے تھے۔ جو اصول ان دونوں بھائیوں کو دل سے پسند تھے وہ اکبر کی طبیعت کے بالکل موافق واقع ہوئے تھے۔ وہ اصول یہ تھے کہ آزادی کے پوری پوری قایم رکھی جائے۔ سب کے ساتھ بلا لحاظ مذہب و ملت پورا پورا عدل کیا جائے۔ اس ملک کے باشندوں پر جو بار ہیں وہ ہلکے کیے جائیں۔ رعایا کے ملک کے سب فرائض میں کمزوری پیدا کر دی جائے اور راجپوت راجا جو اپنی قدامت نسل پر فخر کرتے اور مسلمان فاتح کو بے دھرم اور غیر سمجھتے ہیں اور انوکھ اور منغل سردار جو فتح کرنے کے حق سے ملک کو اپنی ملک سمجھتے اور یہاں کی رعایا کو صرف اپنی غلامی کے لائق جانتے تھے اور نواب و افغان لوگ جو چار صدیوں سے یہاں رہتے رہتے اسی ملک کے باشندوں میں شمار ہونے لگے تھے اور یہاں کے اصلی باشندے جن پر ہمیشہ مہربانی اور سلوک کا بہت عمدہ اثر پڑا تھا سب ملا کر ایک کروئے جائیں۔

ایک فرقہ ایسا تھا کہ اسکا ملال لینا ناممکن تھا۔ یعنی وہ مسلمان شاہزادہ جنکے خاندانوں میں ہندوستان کی سلطنت رہ چکی تھی اور جو اب خود سلطنت کرنی چاہتے تھے یہ لوگ بنگال اڑیسہ بہار و مغربی ہندوستان کے بہت سے

حصوں میں بہت ذی اختیار تھے اور بڑی بڑی فوجیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے حق کو اکبر کے حق پر فائق سمجھتے تھے اور چونکہ اس سے بیخبر تھے کہ بخلاف انکے مورثوں کے کہ انھوں نے سطح کے اوپر ہی اوپر سلطنت کی تھی اکبر سلطنت کی ہڈیوں کو زمین کے اندر پھوست کرتا جاتا ہے۔ یہ لوگ اکبر کے دعوے باطل کرنے چاہتے تھے اور اسکی قوت کا مقابلہ کرتے تھے۔ یہ مضمون کہ اکبر نے کس طرح ان لوگوں کے ملائینے کی کوشش کی اور کس طرح ان لوگوں نے اپنے طرز عمل سے اسکو اس بات پر مجبور کر دیا کہ انکو بالکل نکال باہر کرے ہم پچھلے باب میں نذر ناظرین کر چکے ہیں۔

اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کس طرح اکبر کے مزاج کے قدرتی اصول جو فیضی اور ابو الفضل کی صحبت میں اور بھی زیادہ مستحکم ہو گئے تھے اس نظام و انتظام میں مدد ہوئے جسکی بنیاد اس اصلاح کرنے والے بادشاہ نے قائم کی تھی۔ اسی باب میں ہم نے خود بدولت کا ایک مقولہ نقل کیا ہے کہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے زمانہ سلطنت میں ایک دفعہ برہمنوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔

چونکہ خود اکبر کا یہ بیان ہے اسلئے ضرور ایسا ہوا ہوگا۔ مگر ہم نے جبر

کے ساتھ تبدیل مذہب کرنے کا حال کہیں لکھا نہیں دیکھا۔ یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہو گا کہ اکبر ہنوز نابالغ تھا اور اختیارات اعلیٰ پر مہم کے ہاتھ میں تھے جس وقت سے کہ اُس نے اختیارات اپنے ہاتھ میں لیے یعنی جس دن سے کہ اُس نے اس وقت کے مختار کل بیرم خان کو کہ چلے جانے کی اجازت دی اسی دن سے اُس نے یہ ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ ہندو مسلمان دونوں کو ایک سمجھو بھگا۔ اور اُس نے اس ارادہ میں کبھی ترنزل نہیں آنے دیا۔ اپنی سلطنت کے ساتویں ہی برس کہ وہ اُسکی عمر کا اکیسواں سال تھا اکبر نے اس راج کو تو دستور کو موقوف کیا کہ فاتح کی فوج والے مفتوح کی بی بیوں بچوں اور متوسلین کو زبردستی بیچ ڈالتے تھے یا لوٹدی غلام بنا لیتے تھے۔ عام اس سے کہ غنیمت کا قصور کسی درجہ کا ہو اُسکے بچوں متعلقین کو فرمان شاہی کی رو سے یہ اجازت دے دیجاتی تھی کہ جہاں جی چاہے اپنے گھروں کو یا اپنے رشتہ داروں کے گھروں کو چلے جائیں۔ کوئی شخص بڑا ہو یا چھوٹا غلام نہیں بنایا جاتا تھا اس آزمائش بادشاہ کی دلیل یہ تھی کہ وہ اگر شوہران و اموات گرقند زنان راجہ تقصیر و اگر پیران طریق مخالفت گزیدہ فرزندان راجہ گناہ؟

اسی فیاضی اور آں اندیشی کی حکمت عملی سے اکبر نے بڑی مستعدی

کے ساتھ اور بڑے دستوروں کی اصلاح میں کام لیا۔ اگلے ہی سال یعنی اپنی سلطنت کے آٹھویں برس اکبر نے وہ محصول موقوف کر دیا جو باوجود دہت و رخیز ہونے کے اسکی راسے کے مطابق اسکی ہندو رعایا کے ایمانوں میں خلل انداز تھا۔ دنیا میں ہندوؤں سے زیادہ کوئی قوم تیر تھ جتنی کی شایق نہیں ہے۔ اس قوم کے پاک مند جنہیں سے ہر ایک کے غلام و صاف انگ انگ ہیں ہندوستان کے ہر صوبہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جاتریوں کو جو سفر کرنے پڑنے ہیں وہ اکثر بڑے بڑے اور دشوار ہوتے ہیں اور اکثر ان سفروں کے فائدہ کی کبھی بیشی مسافت کی مقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ مغلوں سے پہلے جو افغان فرمانروائے اٹھو نے ان جاتریوں کو شیر اور متل آمدنی کا ذریعہ سمجھ کر سب جاتریوں پر محصول لگا دیا تھا کہ جو حالت اسکی دولتمندی کی مشہور ہو یا تحقیقات سے ثابت ہو اسی کے مطابق وہ محصول ادا کرے۔

ابو الفضل نے لکھا ہے کہ اس محصول سے بڑی کثیر آمدنی تھی اور کروڑوں روپیہ سالانہ خزانہ میں آتا تھا۔ مگر اسکو سب لوگ برا ظلم سمجھتے تھے۔ ہندو لوگ جاترا کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے مذہب

نے یایون کہو کہ اُن کے مذہب کے علمائے برہمنوں نے اُن پر لگا رکھا ہے۔ ہندوُن کی حجت یہ تھی کہ اگر ہم اپنے جسم پر سخت تکلیف بروا کرتے ہیں اور سیکڑوں کوس زمین اپنے قد سے ناپتے چلے جاتے ہیں تو سرکار کو کون سا حق ہے کہ ہمارا پیٹ کاٹے۔ ہندو رعایا کے خیالات بہت جلد اکبر کے کانوں تک پہنچ گئے۔ جو لوگ اس محصول کو آسان و ذریعہ آمدنی کا سمجھتے تھے اُنھوں نے حضور میں عرض کی کہ تیر تھ جاتا کرنا ہندوُن کا ایک فضول عقیدہ ہے اور اس سے وہ باز بھی نہیں آنے کے لہذا ایسے محصول کو موقوف کر دینا۔ کہ جسکی آمدنی کثیر اور یقینی ہو تحصیل مالگزاری کی حکمت عملی کے خلاف ہوگا۔ اکبر نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ یہ محصول عوام کے عقائد باطل ہی پر ہے اور ہندو گھرنیٹھے رہیں تو اسکی ادائیگی سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں تاہم اسکی حجت باقی رہی کہ چمکہ تیر تھ جاتا کرنا ہندوُن کے مذہب کا جزو ہو گیا ہے اور ایک طرح پر ہندوُن کا طریقہ پرستش ایزدی یہی قرار پا گیا ہے اسلیے وہ لوگ جس بات کو حکم الہی سمجھتے ہوں اُس کی تعمیل میں نام کو بھی سدا رہونا جاتا رہے۔ چنانچہ اُسے یہ محصول موقوف کر دیا۔

ایسا ہی سمجھ کر اکبر نے جزیہ بھی موقوف کر دیا جو مسلمان بادشاہوں نے
 غیر مذہب والوں پر لگا رکھا تھا۔ یہ محصول اسلامی فتوحات کے ابتدائے
 زمانہ میں ہندوستان کے افغان فرمانروایوں نے لگایا تھا۔ کوئی اور
 محصول ایسا نہ ہوگا چواہا کرنے والوں کو اس قدر اکھڑا جو اور نہ کوئی اور محصول
 ایسا ہوگا جس سے اس قدر زیادہ موقع ظلم و تعدی کا ملتا ہو۔ اسی محصول کے
 متعلق کارروائیوں کا حال پڑھ لینے سے اس بات کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے
 کہ اکبر سے پہلے جو مسلمان فرمانروا ہوئے وہ اس ملک والوں کے دلوں
 کو کیوں نہ تسخیر کر سکے۔ مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتا ہے کہ ”جب عامل
 ہندوؤں سے محصول طلب کریں تو بہت عجز و انکسار کے ساتھ آکرین۔
 اور اگر عامل ان کے منہ میں تھوکنا چاہے تو چھوٹ کا بالکل خیال نہ کریں اور
 منہ کھول دیں تاکہ عامل تھوک لے۔۔۔۔۔ غرض اس تذلیل سے اور منہ میں
 تھوکنے سے یہ ہے کہ کافر رعایا کی اطاعت ثابت ہوتی ہے اور شوکت
 اسلام کہ وہی سچا مذہب ہے بڑھتی جائے اور جھوٹے مذہبوں کی تحقیر ہوتی
 جائے“ (بیان اسکے کہ عیان راجہ بیان) یہ لکھنے کی ضرورت
 نہیں معلوم ہوتی کہ جو اہل کار اس طرح کی حرکتیں کرتے تھے وہ مذہب اسلام

کے واقعی احکام سے انحراف کرتے تھے۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جسے اُسکے پر جوش اور متعصب حامیوں نے بدنام نہ کیا ہو اور مذہب اسلام بھی کم سے کم اور مذہبیوں کے برابر ضرور بدنام ہوا ہے۔ مگر جو عبارت سمجھنے اور لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کس حد تک ایک غیر معمولی روشن خیال بادشاہ کے نوکر چاکر مذہب کے حیلہ سے مذہب کے واقعی احکام کو اپنے افعال سے اس طرح بدل بدل کر قوم مفتوح پر ظلم کر سکتے اور بدستور پہنچا سکتے تھے۔

اکبر نے ہی نہیں سمجھ لیا کہ ایسے محصول کے وصول کرنے میں ایسی ایسی غرایبان ہونی لازمی ہیں بلکہ اُس نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ محصول بطور خود بہت خراب ہے۔ کافر کے لفظ ہی سے اُسکو چڑھتی۔ وہ ہمیشہ پکار پکار کر کہتا تھا کہ کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ اچھی باتیں سب مذہبوں میں ہیں اس لیے وہ کسی شخص کے مذہبی عقاید پر کسی طرح کا محصول لگانا نہ چاہتا تھا چنانچہ اپنی سلطنت کے نوین برس اپنی عمر کے تیسویں سال میں (اور یہ بھی یاد رہے کہ تین برس قبل اُسکے کہ دو نامور بھائیوں یعنی فیضی اور ابوالفضل کی صحبت کا اثر اُس پر ہوا تھا)

اکبر نے خود اپنی رائے صائب سے موقوفیِ جزئیہ کا فرمان جاری کر دیا۔ اسکے بعد سے عتاید کے معاملہ میں خدائے برتر کے سب بندوں کے حقوق برابر ہو گئے۔

اکبر نے ہندوؤں کے ساتھ یہی نہیں کیا کہ جو محصول اُنکے عتاید مذہبی میں خلل اندازتھے اُنکو اٹھا دیا ہو بلکہ اُسے یہ بھی کوشش کی کہ بغیر کسی اظہارِ حکومت کے وہ قیود بھی دور کر دی جائیں جو رعایا کی بہبودی خوشنودی کی سدا راہ تھیں۔ سستی کے معاملہ میں جو کار نمایاں اُسے کیے اُنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ کے دوسرے مسئلہ شادی بیوگان کو بھی ایسی حمایت سے بہت تقویت پہونچی۔ بلکہ اُسے یہاں تک کیا کہ یہ فرمان جاری کر دیا کہ بیوہ کی شادی جائز ہے۔ اسی طرح کے خیالات سے اُسے سن بلوغ سے پہلے شادی کرنے کی ممانعت کی کہ یہ رسم ہندوؤں میں پوری طرح رواج پکڑ چکی تھی اور آج تک چلی جاتی ہے۔ حالانکہ ان ہی کے مذہب کے عقلا اصولاً اسکی مذمت کرتے آئے ہیں۔ قربانی کی خاطر جانوروں کی جان لینی اور جسمانی تکلیف پہونچا کر حبوٹ سچ کی جانچ کرنے کی بھی ممانعت ہو گئی۔ اسی طرح جس مذہب میں وہ پیدا ہوا تھا اسکے مقلدوں کے لیے بھی

قاعدے منضبط کر دیے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اسکا طریقہ یہ تھا کہ بجائے احکام صریحی کے زیادہ تر اپنی مثال کے دکھلانے اور ترغیب دینے اور سمجھانے سے کام نکالتا تھا۔

اکبر اعتدال سے بڑھی ہوئی غائر روزہ زکوٰۃ حج و زیارات میں تخفیف کرنی چاہتا تھا مگر ممانعت نہیں کرتا تھا۔ یہ باتیں اپنے اپنے شوق کی تحقیر مگر اکبر خوب جانتا تھا کہ بیشتر صورتوں میں اظہار عبادت محض ریاکاری کے پردہ کا کام دیتا ہے۔ اور بڑی لمبی جوڑی نمازین پڑھنے اور متقی صورت بنانے رہنے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں جن میں انسان کی زندگی عمدہ طور پر صرف رہ سکتی ہے۔ فقہ کی رسم کی ممانعت تو مسلمانوں میں ہو نہیں سکتی تھی۔ اکبر نے یہ حکم دیدیا تھا کہ جب تک لڑکا بارہ برس کا نہ ہو جا کہ تب تک یہ رسم ادا نہ کی جائے۔ ہندوؤں کا دل خوش کرنے کے لیے گاؤ کشی کی بھی ممانعت ہو گئی تھی۔ بخلاف اسکے سور مارنا اور اسکا گوشت کھانا جائز قرار دیا تھا۔ مسلمان لوگ کتوں کو ناپاک سمجھتے تھے اور غالی مسلمان نواب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اکبر نے کتوں کو بھی پاک قرار دیا تھا۔ مسلمانوں میں شراب ممنوع ہے۔ اکبر نے اعتدال کے ساتھ پینا جائز رکھا تھا۔

اپنی سلطنت کے آخر حصہ (۱۵۹۲ء) میں وارمھی منڈلنے کی رسم کو رواج دیا اور اس سے اُسکے دربار کے متعصب لوگ بہت ناراض ہوئے۔ ہندوستان سے گرم ملک میں اُسترے کے استعمال کے فوائد ظاہر ہیں اور اس کی نسبت بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اگرچہ اس حکم کی پابندی لازمی نہ تھی تاہم اس کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے پر دربار شاہی میں خاص امتیاز ہوتا تھا بہت کم باتیں ایسی ہونگی جن سے کئے مسلمان اس قدر نفرت کرتے ہوں جتنی وارمھی منڈلنے سے کرتے ہیں۔ یہی حال اُس زمانہ میں بھی تھا اور یہی حال اس زمانہ میں بھی ہے۔ بادشاہ نے جو خود اپنے پیشین تقلید کے واسطے نمونہ بنایا تو دل ہی دل میں لوگ بہت ناخوش ہوئے اور بڑا بھلا کہنے لگے۔

اکبر کی قدرتی صفات میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اُسکو اپنے رشتہ داروں سے بہت اُنس تھا۔ اُسکا کوکا اُسکو اکثر دق کیا کرتا تھا۔ ایک دن بہت ہی معمولی سی سزا دی تو یہ فرمایا کہ ”میرے اور عزیز کے بیچ میں دو دھکا ایک دیا جاتا ہے کہ میں اُسے کسی طرح عبور نہیں کر سکتا“ جو لوگ اُسکے ساتھ کسی رشتہ سے وابستہ تھے اُن سب کے ساتھ اُسکا یہی رنگ تھا۔ سوا

ایسی صورت کے کہ ان لوگوں میں صلاح کی صلاحیت ہی نہ رہے یا یہ کہ دوسروں کے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ کر چکے ہوں اکبر کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی وریادہ لی اور فیاضی سے انکو راہ راست پر لے آئے۔ اُسکو عفو کرنے بجا لکھنے اور عہد بنالینے میں مزہ آتا تھا۔ اور اگرچہ ان اوصاف حمیدہ کے کام میں لانے سے اُس نے کبھی کبھی دھوکے بھی کھائے تاہم آخر کار انکا نتیجہ اچھا ہی ہوا۔ اکبر سعادت مند بنیا تھا محبت والا شوہر تھا اور شاید ضرورت سے زیادہ شفیق باپ تھا۔

اُسکے بیٹے اونچے گھر میں پیدا ہونے کی خرابی میں مبتلا تھے۔ اُن میں سے ایک شہزادہ دانیال بہت ہی ہونہار تھا مگر جو موجبات ترغیب اُسکے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اس سے اُستادوں نے بھی نہ روکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی سی عمر میں قبر میں جا سویا۔ شہزادہ مراد کا بھی یہی حال ہوا۔ اکبر کا جانشین جہانگیر بہت سی باتوں میں بالکل اپنے باپ کے برعکس تھا۔ سلطنت اکبری کے آخر زمانہ میں اُس نے ایک ایسی نظیر قائم کی جسکی تقلید برابر مغلیہ خاندان میں ہوتی چلی آئی۔ یعنی یہ کہ اپنے باپ کے جیتے جی بادشاہ بن بیٹھنے کی کوشش کی اور باپ کے سب سے عزیز و دست ابو الفضل

کو قتل کراؤ والا۔ اکبر نے جس صبر و تحمل کے ساتھ اپنے ناخلف بیٹے سے کام لیا اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ملے گی۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی تھا کہ اکبر کو ظلم سے نفرت تھی اور اپنا فرض ادا کرنے کو خدا کی عبادت کرنے کے برابر سمجھتا تھا۔

اس اعتبار سے وہ چھوٹے بڑے معاملات میں کچھ فرق نہ کرتا تھا۔ وہ اسی پر قناعت نہ کرتا تھا۔ کہ یہ حکم صادر کر دے کہ اس مضمون کا فرمان جاری ہو جائے۔ وہ یہ دیکھ کر تا تھا کہ اس فرمان پر عمل کس طرح ہو رہا ہے اور اگر کام چلتا نظر آتا تو اس میں ترقی بھی کرنا جاتا تھا اور یہ غور کیا کرتا تھا کہ مختلف قومیں جو میری رعایا ہیں ان میں سے ہر ایک پر اسکا کیا اثر ہو رہا ہے۔ اپنی مردم شناسی بہرہ کو بہت بھروسہ تھا۔ اور یہ تو سب مانتے ہیں کہ اُسے قیافہ شناسی میں اچھا دخل تھا۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ وہ ایک نظر دیکھ کر آدمی کو پرکھ لیتا تھا۔ اور ہر ایسی چیز سے اس کے دل میں اس کے تصدیق کی ہے اگرچہ عادت کے بے ہند و ن پر طعن کیے زمانہ جاتا تھا یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے باطن کا حال معلوم کر لیا جو گیون سے دیکھا تھا۔

باوجود اسکے کہ طبیعت اس قدر فیاض پائی تھی اور خیالات اس قدر وسیع

تھے اکبر کا بھی دل واسوسات باطل سے خالی نہ تھا۔ وہ مبارک دن نکاح قائل تھا۔ بلا کمین صاحب لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ اکبر کو پارسی مذہب کی تعلیم سے ہوا تھا کہ مذہب مذکور میں یہ بات خاص ہے۔ اکبر بگے دربار والے خصوصاً وہ لوگ جو اسکی مذہبی اختراعات کے خفیہ طور پر مخالف تھے اسکی مسلم کامیابی کو خوبی تقدیر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ملائے بدایونی نے جا بجا لکھا ہے کہ ”اقبال شاہی نے حسب معمول دشمنوں پر ظفر پائی“ دراصل اسکی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اسکی بڑی توجہ اس بات پر تھی کہ جو قواعد و ضوابط اسنے اور اسکے مشیروں نے پورے طور پر غور و فکر کے بعد مرتب کیے تھے انکی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی پورے طور پر پابندی کیجائے۔

اکبر کو جنگی کھیلوں خصوصاً شکار سے بہت شوق تھا۔ لیکن اپنے جانشین بیٹے کی پیدائش کے بعد سے جمعہ کے دن شکار کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ اگرچہ اکبر بادشاہ کا بیان سندھین قابل تسلیم ہے تو اکبر نے پرنس مانی تھی کہ اگر والدہ جہانگیر کے بیان ولادت بخیر و خوبی ہو جائے تو یوم مبارک کو شکار کھیلنا بالکل چھوڑ دینا اور آخر عمر تک برابر اپنے عہد پر قائم رہا۔

اس بات کی بھی بہت شہادت ملتی ہے کہ اکبر موسیقی کا شائق ہی نہیں تھا

بلکہ ہر بھی تھا۔ پرانے خوارزمی راگن مین اسکو بہت لطف ہا تھا۔ اور ابو الفضل نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے خود بھی دو سو گیت تصنیف کیے تھے جنہیں بوزرے جو ان سب کو مزہ آتا ہے۔ اُسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جہان پناہ کو علم موسیقی کی اس قدر واقفیت تھی کہ اچھے اچھے استادوں کو بھی نہ ہوگی۔ ہر روز دربار میں خوب خوب گانا ہوتا تھا کہ بادشاہان مشرق کو ہمیشہ سے نغمہ و دوسے خاص ذوق رہا ہے۔ اکبر مین ایجاد کا مادہ بھی خدا و تھا۔ آئین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ایک گاڑی ایجاد کی تھی۔ ایک چرخ تو پون کے صاف کرنے کی بنائی تھی اور ہاتھیوں کی جھولین بھی نئی وضع کی نکالی تھیں۔ اور اپنی فوج اور توپخانہ والوں کی دردی مین بہت ترقی کی تھی۔

اکبر کی خوراک بالکل سادہ ہوتی تھی۔ اور دن میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا تھا۔ گوشت مرغوب نہ تھا۔ اکثر مہینوں نہ چھوتا تھا۔ میوہ جات بہت بجاتے تھے اور انکی زراعت کی طرف بھی توجہ رہتی تھی۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ گیتی خداوند میوہ کو دگر اُمی نعمت دلا دیسیاں۔ قصور فرما تے تھے۔ اور ایران و توران سے باغبان بلا کر آکر اور چنور سیکری مین سا

تھے۔ دو خربزہ و انگور فراوانی پذیرفت و گزیری یافت و بچان تر بز و شفا لو
 و با و ام و پستہ و انار و جزآن پیدا ئی گرفت۔ “ یہ بھی لکھا ہے کہ کابل و قندھار
 و کشمیر و جرخان اور سمرقند تک سے میوے آتے تھے۔ آئین میں میوہ بات
 کی فہرست مفصل دی ہوئی ہے اور جو ناظرین ملک ہندوستان سے
 واقف ہیں انگور و اسکے چڑھنے میں لطف آئے گا۔ یہ لکھنا خالی از ذکر نہیں
 نہوگا کہ اُس زمانہ میں بھی ہندوستان کے شیریں میووں میں آم ہی کا نمبر اول
 ہے۔ اس میوہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ ”در رنگ و بو و طعم کم ہوتا۔ برخی
 مشکل پسندان توران و ایران از خربزہ و انگور پایہ او برتر نهند“

اب ہم الکریم کی عادات کا بہت مختصر ذکر کرنا چاہتے ہیں اور یہ
 دیکھنا منظور ہے کہ معمولی طور سے اگر وہ یا فقیہ یا سیکری میں وہ اپنا دن کس
 شغل میں صرف کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات کو دیر کر کے سوتا تھا
 اور سر شام سے آخر صبح شب تک بات چیت اور بحث مباحثوں میں بسر ہوتی
 تھی۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ ایسے معاملات میں جہاں بٹاہ پہر رات
 رہنے تک مشغول رہتے تھے۔ پھر گلانے والے طلب ہونے لگے۔
 صبح کو جہاں بٹاہ خلوت میں چلے جاتے تھے۔ وہاں حمام کر کے پوشاک

بہتے تھے اور تقہ پیا ایک گھنٹہ بعد دربار یون کا مجرئی لینے کو تشریف لائے تھے۔ پیر دن کا کاروبار شروع ہوتا تھا۔ یہ کام اکثر دوپہر سے پہلے ہی پہلے ختم ہو جاتا تھا اور پھر خاصہ تناول فرماتے تھے۔ معمولاً ایک ہی وقت کھاتے تھے مگر کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ تیسرے پہر کو آرام فرماتے تھے۔ کبھی کبھی علی الصبح سیر و شکار کی طرف بھی توجہ ہو جاتی تھی۔ اور کبھی رات تک چوگان بازی ہوتی رہتی تھی اور پلاس کے گیندوں سے کھیلتے رہتے تھے جو سب سے زیادہ گرمی کا وقت ہوتا تھا و محلوں میں رہنے اور آرام کرنے میں صرف ہوتا تھا۔

اکبر کو سلطنت کرتے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس نے اس ضرورت کو سمجھ لیا کہ راجپوتانہ کے بند و راجاؤں کو محض ایسے قلعوں سے تحت شامی سے وابستہ کرنا چاہیے جو خالی دوستی سے زیادہ قوی ہو۔ اس بات پر غور کرنا خالی از لطف نہ ہوگا کہ اکبر نے کس طرح راجستان کے اونچے مگر ان والوں کے دل سے تعصب نکال کر ان کو ان رشتوں پر راضی کر لیا جنکا ان میں کے بہت سے لوگ دل سے بُرا سمجھتے تھے اور اپنے بے باعث آوہن جانتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے باب ہایون نے اس

کام کی راہ تھوڑی سی کھول دی تھی۔ کرنیل ٹاؤ صاحب نے اپنی نامور دلائی
تصنیف میں ہمایون کے اپنے آغاز سلطنت میں چتور کی رانی کرناوتی
کا خادم بننے اور اُسے خدمت کا وعدہ کرینکا حال لکھا ہے۔ یہ خدمت
ہمایون نے بہت وفاداری کے ساتھ ادا کی۔ وہ رانی مذکور کو ہمیشہ پیاری
اور نیک بہن کے خطاب سے یاد کیا کرتا تھا۔ اُس نے راجہ بہاری مل علی
آمبر کے دل میں بھی جگہ کر لی تھی۔ یہ راجہ اُسی بھگوانداس کا باپ تھا جس کا ذکر
اس کتاب میں کئی جگہ آیا ہے۔

بعد میں اکبر نے اسکی بیٹی سے شادی کی۔ اور اس طرح آہستہ
(بمچ پور) کے گھرانے سے تعلق کر کے بھگوانداس اور اُس کے بھتیجے اور متبعین
بیٹے ماننگہ کو جو اُس کے اعلیٰ درجہ کے سپہ سالاروں میں سے تھا اپنا چکا
دوست بنالیا۔ ایک اور مقام پر کرنیل ٹاؤ صاحب بھگوانداس کی نسبت
لکھتے ہیں کہ وہ ”اکبر کا دوست تھا اور اکبر ایسے لوگوں کو اپنے تخت سے
وابستہ کرنے کی قدر خوب جانتا تھا“ کرنیل صاحب موصوف کہ اُن سے

x تاریخ جہان صنف لغت کرنیل جیس ٹاؤ۔ طبع ثانی (مطبوعہ مدراس) صفات

زیادہ عمدہ مواقع راجگان راجپوتانہ کے دلی خیالات کے معلوم کرنے کے بہت کم لوگوں کو ملے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”بھگوانداس کے نام پر لغت کی جاتی ہے کہ یہی پہلا شخص تھا جس نے راجپوتوں کے پاک و امن پر اسلامیوں سے تعلق ازدواجی کرنے کا دھبہ لگایا“ تعصب بڑی سخت چیز ہے اور جس طرح کتاتے کر کے پھر اسے کھا لینا اسی طرح یہ بھی عود کرتا ہے۔

راجپوتانہ میں بھگوانداس اور اس کے بھتیجے سے بڑھ کر بلند خیال اور بڑے پایہ کا آدمی کوئی نہیں ہوا۔ اکبر کا اٹھنے ساتھ گہری دوستی ہو جانا اور سب یاتون سے زیادہ اس میں مدد ہوا کہ راجپوت لوگ مغلوں کی برتری تسلیم کرنے لگے۔ اس دوستی کو شہزادہ سلیم کی راجہ بھگوانداس کی بیٹی کے ساتھ شادی ہو جانے سے اور بھی قوت ہو گئی۔ یہ بات کہ اکبر کے انتظام کا اس جری قوم پر کیا اثر پڑا اس مختصر بیان کے پڑھنے سے معلوم ہو گی جو کرنل ٹاڈ صاحب نے جو راجپوتوں سے بھی بڑھ کر راجپوتوں کے ہمدرد ہیں اکبر کے حالات میں لکھا ہے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ”اکبر سلطنت مغلیہ کا اصلی بانی تھا

اور وہی پہلا شخص تھا جو کامیابی کے ساتھ راجپوتوں کی خود مختاری
 آیا۔ اس مقصد کے حصول میں اسکو اپنی خوبیوں سے بہت قوی رہ
 نہ سنے اپنی ہوشیاری اور تسخیر قلوب کے کمال سے جن زنجیروں
 جکڑا لکھوسنہری کر دیا۔ یہ لوگ رفتہ رفتہ اسکے عادی اور مانوس ہو۔
 خصوصاً ایسے وقت میں کہ جب تخت شاہی نے اپنی قومی شان و
 بجاہی یا جب اس سے بھی زیادہ بڑی خواہشوں کے پورا کر چکی ہو
 بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرنل صاحب اس اصول
 سنیں ہوئے جس پر اکبر کی حکمت عملی مبنی تھی یعنی یہ کہ وہ اس غرض سے
 کو اتفاق پیدا ہو۔ اور صاحب مدح اسکو بھی مثل اسکے افتخار و
 (جن کو انھوں نے واقعی ٹھیک طور پر سمجھا تھا) سمجھ کر اسکی ملک
 اعتراض کرتے ہیں۔ مگر کرنل صاحب کو بھی آگے چل کر یہ لگتے ہی
 کہ ”آخر الامر اکبر کو اس میں کامیابی ہوئی کہ جو زخم اسکے ملک گیری کی
 لگائے تھے اُن کا اندمال کر دیا اور کروڑوں آدمیوں کی زبان۔
 تعریفیں سنیں جو اسکی قوم کے اور کسی شخص کو سننی نصیب نہ ہوئی تھ
 یہاں چارایہ لکھنا فضول ہو گا کہ اگر کروڑوں آدمیوں کی خوشنودی با

کا مقصد اصلی ہے اور اگر اس مقصد کے حصول کے واسطے ملک بس بیکار سے اتفاق کا پیدا کرنا ضروری ہے تو جو ذرائع اس مقصد کے حصول میں کام میں لائے جائیں وہ سب مباح ہیں۔ اکبر نے راجپوتانہ میں فتوحات اس غرض سے نہیں کی تھیں کہ اسے راجپوتانہ میں فرمانروائی کرنی مقصود تھی۔ اسکی غرض ان فتوحات سے یہ تھی کہ سب راجپوت راجا اپنے اپنے راج میں اس اسن و امان کا لطف اٹھائیں جو اسکی برتری سے جو کسی طرح ظالم بنہیں سلوم ہوتی تھی سارے ملک کو حاصل ہو گیا تھا۔

اُسے سنگھ راجہ جو چھوڑا اس زمانہ کے راجپوت راجاؤں میں بہت سربراہ اور وہ تھا۔ اکبر نے شہزادہ سلیم کی شادی اسکی بیٹی سے ٹھہرائی۔ یہ رانی اس شہزادہ کی مان تھی جو جاگیر کے بعد شاہجہان کے لقب سے بادشاہ ہوا اسکی وجہ سے راجپوتوں کی نسل کو وہ عزت حاصل ہوئی جو اب تک ہندوستان میں کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ اسی شادی کی بابت کہ جسکے نتیجے میں مبارک ہوئے کرنل ٹاڈ صاحب نے لکھا ہے کہ اکبر نے رشوت دیکر یہ شادی ٹھہرائی تھی اور چار صوبے جاگیر میں عطا کیے تھے جس سے ماڑواڑ یعنی جو دھپور کا علاقہ دونا ہو گیا تھا۔ صاحب موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”آمبر اور ماڑواڑ“

کی نظیر دن سپے اور لایچ بین نہ لے کی طاقت کے کم ہو جانے سے راجستان کے چھوٹے چھوٹے سردار جنکے ساتھ بہت سے بہادر و وابستہ تھے تخت دہلی کے نائب بن گئے اور اس تبدیلی سے اکثر سرداروں کی توفیر بڑھ بھی گئی۔ "واقعی مغل مورخ نے سچ لکھا ہے کہ وہی لوگ تخت دہلی کے ستون بنی تھے اور ان ہی سے اسکی زیربائش بھی تھی۔

راجپوتانہ کے راجاؤں کے ساتھ جو اکبر کی حکمت عملی رہی اسکے مناسب حال ہونے کی کیفیت اس مصنف کی تحریرات سے بہترین طور پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس مصنف کی تاثر بہرہ روی راجپوتوں کے ساتھ تھی۔

شاہی شادیوں کے تذکرہ کے ذیل میں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ اکبر کی بہت سی بیبیاں تھیں مگر صرف آٹھ کا حال مستند طور پر معلوم ہوتا ہے پہلی بی بی اسکی چچا زاد بہن یعنی ہندال مرزا کی بیٹی تھی۔ اس سے کوئی دو دلازمین ہوئی۔ پندرہ کے بعد تک زندہ رہی اور چوراسی برس کی ہو کر مری۔ دوسری بی بی بھی رشتہ کی بہن تھی۔ یعنی بابر کی نواسی اور مرزا نور الدین محمد کی بیٹی تھی۔ یہ یکم شاعرہ تھی اور مخنی کے فرضی تخلص سے شعر کہتی تھی۔

میسری بی بی راجہ بہاری ل کی بیٹی راجہ بھگوانداس کی بہن تھی۔ ششدر
 میں شادی ہوئی تھی۔ چوتھی بی بی حسن میں شہرہ آفاق تھی۔ پہلے اسکی شادی
 عبد الواسع سے ہوئی تھی۔ پانچویں بی بی جہانگیر کی ماں جو دھپور کی رانی جو دم
 باقی تھی۔ دلیعہ کی ماں ہونے کے باعث حرم میں اسکی عزت سب سے زیادہ
 تھی۔ چھٹی ساتویں اور آٹھویں بی بیان مسلمان تھیں۔

مالی قانون کے متعلق اکبر کو طریقہ وصول مالگزاری کی وضاحت بہت
 توجہ تھی۔ جب وہ بادشاہ ہوا ہے تو وہی دستور رائج تھا جو اسکے باپ کو
 شکست دیکر نکالنے والے شیر شاہ نے جاری کیا تھا۔ اس دستور کی بنیاد
 ان اصولوں پر تھی۔ اولاً۔ اراضی کی پیمائش ٹھیک ٹھیک کی جائے۔ ثانیاً۔
 ہر قطعہ زمین کی اوسط پیداوار فی بیگہ دریافت کی جائے۔ ثالثاً۔ جو حصہ رسی
 سرکار کو ادا ہو اسکا بندوبست کیا جائے۔ رابعاً۔ جنس میں جو حصہ رسی
 سرکار کا قرار پائے اسکی قیمت بحساب نقد تجویز کر دی جائے۔ اکبر نے
 اس دستور میں مزاہمت کرنی مناسب نہ سمجھی بلکہ اسی کو ترقی دینا پسند کیا
 اور مالک سنی و شمالی بن بیگہ قریب قریب ۱۰ ایکڑ کے برابر ہوتا ہے اور بنگال میں ایک
 ایکڑ کے ۱۰ حصہ سے بھی کچھ کم ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ اس نے مختلف طریقوں کو جو اب تک مستعمل تھے موقوف کر کے سب جاہ
ایک ہی طریقہ کر دیا۔

آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اس قابل ستایش آئین سے عالم ان لگاری
کے دل سے بھی شبہ کا غبار جاتا رہا اور رعایا بھی طرح طرح کے مظلوم
سے محفوظ ہو گئی اور آمدنی بھی فراوان ہو گئی اور سلطنت بھی سرسبز ہوتی گئی
اکبر نے آلات پیمائش بھی پہلے کی بہ نسبت عمدہ بنوائے اور ان کے ذریعہ سے
پیمائش کر اگر اپنی سلطنت کی قابل زراعت زمین کا بندوبست نئے سرے
سے کیا۔ آئین میں یہ بھی لکھا ہے کہ قیمتی خداوند بیکہ پیچھے دس سیر غلہ حق شاہی
لیا کرتے تھے۔ آگے چل کر یہ حق بھی نقد ادا ہونے لگا تھا۔ ہر ضلع میں ذخیرے
بنے ہوئے تھے کہ سرکاری جانوروں کے واسطے خوراک وہاں جمع ہو
کاشتکاروں کو بار دیا جائے اور اگر قحط پڑے تو رسد موجود رہے
اور غراب کو کھانے کو دیا جائے۔ ان ذخیروں پر خاص طور پر اعتماد کے قابل
لوگ متعین ہوتے تھے۔

آغاز سلطنت میں زمین باعتبار زر و خیزی تین درجن میں منقسم تھی

اور ہر قسم کا ایک ایک بیکہ لیکر تین بیکہ کی اوسط پیداوار پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔

لیکن اگر کاشتکار اس اوسط پر راضی نہ ہو تو اسکو اختیار تھا کہ اپنی ہی فصل کی قیمت کا تخمینہ کر لے۔ اسی طرح اس غرض سے کہ باعتبار قسم زمین تعداد مالگزاری کا تناسب یکساں رہے اور سیلاب وغیرہ سے جو نقصان ہوا اسکی تلافی ہو جائے زمین کی پانچ قسمیں قرار دی گئی تھیں۔ مختلف قسم کی راضی کی شناخت کے لیے اؤر قواعد منضبط ہوئے تھے اور ان سب قواعد و نین یہ بات ملحوظ رکھی گئی تھی کہ ایسے طریقہ سے کام لیا جائے جو رعایا اور سرکار دونوں کے حق میں قرین انصاف ہو۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے جب سلطنت اچھی طرح جم گئی تو اس سے بھی بہتر طریقہ مالگزاری سرکاری کے مقرر کرنے کا جاری کیا گیا۔ اور اس کام کے واسطے پیمائش سے پہلے انیس برس کے زرخنامے کا قانون کے مقدموں سے طلب ہوئے۔ انکا اوسط نکال کر پیداوار کی قیمت بحساب شرح مردوجہ نکالی گئی۔ پہلے پہلے تو بند و بست سالانہ رہا مگر جب ہر سال ہی شرح لگانے میں دقت معلوم ہوئی تو پچھلے دس سال کے اوسط کے حساب سے وہ سالہ بند و بست کر دیا گیا۔

اس قانون زراعت کی تکمیل کی غرض سے اکبر نے اغراض مالگزاری

کے واسطے ملک کی ایک نئی تقسیم کی۔ یعنی یہ کہ جب قدر زمین کا محصول ایک
 کروڑ دام یعنی پچیس ہزار روپیہ قرار پایا اسکو علیحدہ ایک حصہ قرار دیا ایسے
 ہر حصہ کا عامل کروڑی کے لقب سے ملقب ہوا۔ جب کروڑی کے پاس
 دو لاکھ دام جمع ہو جائیں تو خزانہ دار اعظم کے پاس صدر میں بھیج دے۔
 مگر کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس تقسیم سے جو محض حبانی اصول کی بنیاد پر
 کی گئی تھی گز بڑ زیادہ ہو گئی اور پرانے طریقوں میں ہرج پرنے لگا کہ یہ پرانے
 طریقے ہندوؤں کو بہت زیادہ عزیز تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کی آزمائش کے بعد
 یہ مصنوعی تقسیم چھوڑ کر بیان والوں کے پرانے طریقہ کے مطابق زمین کی تقسیم
 باعتبار ملک کی قدرتی حالت کے موضع دار کر دی گئی۔

اکبر مالگزاری کا اجارہ دیدینے کا سخت مخالف تھا کہ اس طریقہ
 سے ظلم بہت ہوتا تھا۔ عاملوں کو تاکید تھی کہ جہاں تک ممکن ہو بجائے اسکے
 لگاؤن کے کھجما سے واسطہ رکھیں براہ راست کا شتکاروں سے
 معاملہ کریں۔ یہ تجدید اگرچہ بڑی اچھی نیت سے کی گئی تھی مگر افسوس ہمیشہ کو

دو لاکھ دام کے پانچ ہزار روپیہ ہوئے۔ دام گنے کا ایک سکہ ہوتا تھا جو روپیہ کے چالیسویں
 حصہ کے برابر تھا۔ ورنہ جو ان تک حساب ملانے میں مرج ہے دام کے آٹھویں حصہ کو کہتے تھے۔

چلنے والی نہ تھی۔ ہندوستان میں رسم درواج کا بڑا زور ہے۔ اور رسم درواج کے مطابق گاؤں کے کھیا کا زور ماننا ہی پڑتا تھا۔ اور آخر کار یہ بات لازمی ہو گئی تھی کہ اور کچھ نہ ہو تو کم سے کم ان لوگوں کی شرکت میں کام کیا جائے۔

بادشاہ نے جب اپنی توجہ معافی داروں کی حالت کی طرف مبذول فرمائی تو معلوم ہوا کہ علاوہ اسکے کہ فرمانروایان سابق نے نااہل لوگوں کو معاف کر دے رکھی ہیں یہ بات بھی ہے کہ خود اسکے ناظم رشوتین لیکر طرح طرح کی بدعتوں کے مرکب ہوئے ہیں۔ فیضی کے دربار میں داخل ہونے اور زور پکڑنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بادشاہ کی آنکھیں کھل گئیں اور سب بدعتوں کا حال معلوم ہو گیا۔ اُسکو یہ دیکھ کر بہت عبرت ہوئی کہ ان زیادتیوں کے کرنے والے وہی لوگ تھے جو بہت تقدس کی لیتے تھے چنانچہ اسکے بعد ہی یہ لوگ خوبصورتی کے ساتھ کہ کو بلا وطن کر دیے گئے اور اس محکمہ میں تحقیقات ہونے لگی۔ چار فرقے ایسے سمجھے جاتے تھے کہ بادشاہ چودا ہے کہ انکی سرکاری طور پر اعانت کرے۔ پہلے فرقہ میں تو وہ لوگ تھے جو تحصیل علم کی طرف راعب تھے اور خود اتنی دستگاہ نہ رکھتے تھے۔ یہ سنا

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان لوگوں کو روٹیوں کی محتاجی کی فکر نہ تھی۔ دوسرے فرقہ میں وہ لوگ تھے جنہوں نے ریاضت اور نفس کشی اپنا شیوہ کر رکھا تھا اور نفس انسانی کی خواہشات و خواہشوں سے لڑتے رہتے تھے اور انسانوں کی صحبت سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ تیسرے فرقہ میں کمزور اور غربا تھے کہ محنت کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ چوتھے فرقہ میں وہ شرفاء تھے جو اچھے گھروں میں پیدا ہوئے تھے مگر بے علمی کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ تجارت کر کے اپنے لیے معاش حاصل کر سکیں۔

ان فرقوں کے سالمون کے حالات کی تفتیش کے واسطے ایک تجربہ کار افسر مقرر ہوا تھا جسکی نسبت یہ خیال تھا کہ آدمی نیک نیت ہے۔ یہ عہدہ دار صد رکھلاتا تھا اور اسکا مرتبہ قاضی اور منصفوں سے زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ جب فیضی کے ایما کے مطابق تحقیقات شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ محکمہ میں بد اعمالی کا بازار گرم ہے۔ چنانچہ اکبر نے صدر سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے قاضی تک سب عہدہ دار دن کو یکے بعد دیگرے موقوف کر دیا اور ایک اور فرقہ کے لوگوں میں سے انتخاب کر کے نئے عہدہ دار مقرر کیے اور انکے کام پر سخت سخت قاعدوں کی پابندی کی قیدیں لگا دیں۔

مگر اکبر کو ایسا ہیسا بادشاہ ہونے کے جو شاہن خدمات کا صلہ دیتا رہے اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ جو لوگ وفا واری کے ساتھ اس کی خدمت بجالائے تھے انکو بڑی بڑی جاگیریں دے۔ چنانچہ بجائے اسکے کہ وہ یہ تنخواہ مین دیا جائے چند روزہ طور پر جاگیریں عطا ہو جاتی تھیں۔ اکبر کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکے قریبی متقدمین مین سے سب سے بڑے فرمانروا شیر شاہ نے جو اسکے باپ ہمایوں کو یہاں سے محال چکا تھا بڑی فضولی کے ساتھ اپنے جان نثاروں کو جاگیریں دے رکھی تھیں اور یہ لوگ اکثر افغانوں کی نسل سے تھے۔ اکبر نے تحقیقات کی کہ کن خدمتوں کے صلے میں جاگیریں ملی تھیں اور اکثر جاگیریں غبط کر کے اپنے جان نثاروں کو عطا کر دیں۔

ایسا کرنے میں اکبر نے ان ہی نظیروں کی تقلید کی جو بادشاہان ماسبق سے ہونی چلی آئی تھیں۔ بلکہ علاوہ نظائر کے موجود ہونے کے اکبر کو ایسا کرنے کی ایک اور بھی وجہ معقول تھی۔ اُسے معلوم ہوا کہ شاذ ہی ایسا ہوتا تھا کہ جب قدر اراضی کی فرمان مین صراحت ہو اُسی قدر واقعی طور پر معافی دار کے قبضہ مین ہو۔ کبھی یہ بھی سہم ہوتا تھا کہ فرمان کی عبارت ایسی سہم ہوتی تھی کہ معافی دار قاضیوں اور صدر صوبہ کو رشوت دیکر جتنی اراضی

اس سے لیتے ہیں پڑتی غمی سب کی سب بے لیا تھا۔ اس لحاظ سے کیا
 انصاف اور کیا حقوق سرکار اور حقوق رعایا کی نگہداشت سب باتیں
 اسکی مقضی تھیں کہ تحقیقات مناسب کے بعد جو اراضی قاعطل نکلے وہ
 ضبط ملی میں آجائے۔ علاوہ برین بادشاہ کو یہ حال بھی کھلا کہ علمائے (جو)
 انجیل کے پھیلائے والے جاسلیفون کے انداز کے لوگ تھے جن
 سے اسکو قلبی نفرت تھی اُسکے زمانہ نابالغی میں اور قبل اسکے کہ وہ مضی کی
 ترغیب سے تحقیقات کی طرف متوجہ ہو طرح طرح سے اپنا فائدہ نکالا تھا۔
 چنانچہ اُسے اُنکے حقوق کی تحقیقات کا حقہ کی۔ اور جب یہ حقوق بقص
 پائے گئے یا بادشاہ کو یہ یاد کر کرنے کی وجہ لگتی کہ یہ حقوق بے ایمانی سے
 حاصل کیے گئے ہیں تو اسنے معافان ضبط کو کے معافی داران ساقط
 ملکیت کو صوبہ سندھ کے مقام بھکر اور صوبہ بنگالی کو جلا وطن کر دیا کہ ان
 مقامات کی آب و ہوا اُس زمانہ میں بہت خراب سمجھی جاتی تھی۔ اسی اصلاح
 کے زمانہ میں بادشاہ نے صدر کے اختیارات میں بھی بہت کمی کردی
 اور جو اختیارات ان لوگوں کو حاصل تھے اُنکا بیشتر حصہ خود بدلت کے
 نفیس نفیس سے وابستہ ہو گیا۔

جو اصلاً حسین اکبر نے اپنی سلطنت کے ملکی انتظام کی بجائے دکن کے عام رجحان اور نتائج کی نسبت ایک نامی مصنف نے اپنی رائے لکھی ہے کہ اگرچہ ان سے رعایاے وقت کی ہبہ و دین بہت افزایش ہوئی تاہم ان اصلاً حون میں رفتہ رفتہ ترقی کرتے جانے کے اصول بالکل نہ تھے۔ اور انکے ذریعہ سے کسانوں کے واسطے وہ راستے نہ کھلے تھے جن سے ان کو کچھ امید ہوتی کہ انکے پھیلانے سے ہمارا فائدہ ہو گا یا یہ کہ ہم ذاتی محنت کے ذریعہ سے ترقی کر سکیں گے۔“ بین کمال عجز و انکسار اس رائے سے اختلاف کرتا ہوں۔ یہ بات مسلم ہے کہ اکبر نے رعایاے وقت کی خوشحالی کو بہت ترقی دی۔ اگر وہ ان طریقوں پر چلتا جو ایٹنشن صاحب بتاتے ہیں تو ضرور اس اصول کے خلاف پڑتا جو اس زمانہ کی ہندو سوسائٹی کی جان تھا۔ اکبر نے ایک دفعہ بڑی خطرناک غلطی کی تھی کہ بجائے لگانوں کے مکھیا لوگوں کے براہ راست کاشتکاروں سے واسطہ کرنا چاہا تھا۔ بارے خیر ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ یہ سیکھ گیا کہ چونکہ رسم و رواج کو قانون کی قوت حاصل ہو گئی ہے اس لیے اس میں بہت سچ بچار کردار دخلت کرنی چاہیے۔ اور

اپنے حکم کو منسوخ کر دیا۔

معاملات مالگزاری و خراج و امور مالی میں راجہ ٹوڈل جسکا ذکر کچھ پہلے باب میں آچکا ہے اکبر کا مشیر خاص تھا۔ یہ راجہ بڑی قابلیت اور آزمودہ دینا کا آدمی تھا۔ باوجود ایک مسلمان بادشاہ کی سرکار میں ملازم ہونے کے ٹوڈل بڑا سچا بندہ تھا اور اپنے مذہبی رسوم پورے اعتقاد کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اکبر کے ہمراہ پنجاب جاتا تھا۔ کوچ کی عجلت میں ٹھاکروں کا آسن پیچھے بھول آیا۔ چونکہ بغیر پوجا کے کوئی کام نہ کرتا تھا کئی دن برابر بے دانہ پانی فاقون پر فلتے کرتا رہا اور آخر کو بڑی مشکل سے بادشاہ نے سمجھا بھگا کرا فاقہ توڑا۔

فوج میں بڑی طاقت رسالہ کی تھی۔ میدان جنگ میں ہاتھیوں کی قطاریں بھی بڑی شان و شوکت دکھاتی تھیں۔ عموماً ہاتھیوں کے ہونے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ بھی موجود ہے یا یوں سمجھیے کہ عوام کا خیال یہ تھا کہ بغیر ہاتھیوں کے بادشاہ کی موجودگی ناممکن ہے۔ پچھلے باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح پر بادشاہ کے غنیمت سے حسن اتفاق سے اسی غلط العام کے دھوکے میں ایک خطرناک غلطی سرزد ہوئی تھی۔

سلسلہ کوہ وندھیا چل کے شمال کے ملک اکبر نے بارہ صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ اُن میں سے ہر صوبہ میں ایک نائب السلطنت رہتا تھا جو صرف بادشاہ کا ماتحت ہوتا تھا۔ جب تک وہ بد اعمالی نہ کرتا تھا اپنے عہدہ پر برقرار رہتا تھا اور ہر کام میں اپنے مالک کی ہدایتوں کے بموجب عمل کرنا اُس پر فرض ہوتا تھا۔ اسکی ماتحتی میں مقامی جنگی افسر ہوتے تھے جو فوج ادا کلاتے تھے۔ یہ لوگ پولیس کے بھی افسر اعلیٰ ہوتے تھے اور جنگی فوج کے بھی۔ ان کے کام یہ تھے کہ اپنے اپنے ضلعوں میں امن قائم رکھیں۔ اپنے اضلاع کے فوجی کارخانوں کی نگرانی کریں۔ جو فوج وہاں تعینات ہو اُس پر کمان کریں اور عام طور سے ہنگاموں کو فرو کریں۔

اکبر کے مقرر کیے ہوئے افسر بھی مقدمات اُن ہی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرتے تھے جو اسکے افغان متقدمین کے وقت سے چلے آتے تھے۔ قانون کا دار مدار قرآن پر تھا۔ مگر نظیروں سے اکثر سخت نفسیہ دین میں ترمیم ہو جاتی تھی۔ علاوہ اسکے جہان جہان قانون میں زیادہ سختی معلوم ہوئی تھی۔ انہیں بادشاہ یا مشیران شاہی کی تحریری ہدایات کے مطابق ترمیم کر دی گئی تھی۔ ان ہدایات کا لب لباب یہ تھا کہ عدالت کے ساتھ رحم بھی ملحوظ

رکھا جائے۔ اعلیٰ عہدہ داروں کو تاکیدی تھی کہ سزائے موت بہت کم دیا کریں۔ گجرات کے ہاکم کو کہ وہ صوبہ بہت دور و دراز تھا فرمان جاری ہوا تھا کہ جب تک خود بدولت تمھاری کارروائی کو ملاحظہ فرما کر منظوری دین تم کسی کو سزائے موت نہ دو۔

سلسلہ وندھیا چل کے جنوب یعنی ملک دکن میں اولاً شاہی عملداری تین صوبوں میں تقسیم ہوئی۔ بعدہ جب اور ممالک و اضلاع عملداری شاہی میں شامل ہو گئے تو چھ صوبے کر دیے گئے۔ اکبر کے مرنے کے بعد ان صوبوں کا حاکم ایک صوبہ دار کر دیا گیا کہ وہی صوبہ دار بعد میں نظام کھلانے لگا۔ اُسکے ساتھ اسکا ایک ماتحت دیوان بھی رہتا تھا جو امور مالی و انتظامی کا نگران رہتا تھا۔

اکبر بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ اُسکی عادتوں میں سادگی ضرور تھی۔ تاہم وہ خوب سمجھتا تھا (جیسا کہ اسکے بعد برٹش گورنمنٹ کے سب سے بڑے وائسرائے نے سمجھا) کہ مشرقی لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے نمائش کی بہت ضرورت ہے۔ اس غرض سے کہ کھٹین اُس طرف خواہ مخواہ اٹھ جائیں یہ ضروری ہے کہ طاقت کی شوکت بھی دکھائی جائے۔

اور جو مختار سلطنت ہو اور جبکہ اشارہ پر سلطنت کا کاروبار چلتا ہو اسکے ساتھ
حشم خدم بھی ہو اور وہ اکی آکھوں میں نمونہ قدرت الہی نظر آئے۔ محض خیالی
بات نہیں ہے۔ آج تک جو القاب آداب ہندوستانی لوگ استعمال
کرتے ہیں ان سے اُنکے اس طرح کے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے۔
اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص برسر سلطنت ہو اور سب سے بڑی قوت والا
ہو اُسے خدا کی جگہ سمجھنا چاہیے۔ اسی کی خوشی پر وہ اپنے آرام و تکلیف
اور بہبودی و بربادی کا دار مدار سمجھتے ہیں۔ خاص خاص تقریبات کے دنوں
میں ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ طاقت

و کھلائے گا اور جو جاہ و جلال اسکی ریاست کو شایاں

اکبر ان باتوں کو خوب سمجھتا تھا اور ان ہی کے

کچھ مصنف آئین ہی نے ہکوان جہنم

کی تصویریں نہیں دکھلائی ہیں۔ ہندو

اکبر کے پاس پانچ ہزار ہاتھی تھے۔

سامان سفر میں بڑے بڑے نفیر

کے واسطے شامیانے عیافتوں

لنبے لنبے راسے آرام کے واسطے خلوت خانے بنے ہوئے تھے اور
 سب نفیس نفیس بیش قیمت رنگ رنگ کے کپڑوں سے طیار کیے گئے
 تھے۔ ان لوگوں نے لکھا ہے کہ خاص جشن کے دن بادشاہ بیش قیمت
 جہنم میں اپنے تخت پر جلوس فرماتا تھا۔ سر پر دے اٹھا دیے جاتے
 تھے۔ بیچ میں کم سے کم دو ایکڑ زمین پر قالین کا فرش ہوتا تھا اور سردار
 حاضر ہو کر ندرین پیش کرتے تھے۔ سرداروں کے بھی خیمے بڑے
 نفیس اور صرف بادشاہ کے خیموں سے کم درجہ کے ہوتے تھے۔ پچھ
 اما کے سامنے مختلف چیزوں میں ملتا تھا اور وہ محتاجوں کو تقسیم
 سالگرہ پر عمر کے برسوں کے شمار کے مطابق بھیج کر بار
 کر دیا جاتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے جانور بہت
 ادا اپنے درباریوں کو اپنے ہاتھ سے بادام
 تھا۔

کا دن ہوتا تھا اکبر بیرون میں جگمگا
 سروار لباس فاخرہ زیب تن کیے
 تھے۔ جلوس سامنے سے گزرتا

ہاتھیوں کے سینہ اور تنک پر یا قوت و جواہر اہل چمکتے تھے۔ گھوڑے
نفیس ساز و سامان سے مرصع ہوتے تھے۔ گینڈے شیر بہرہ مند و ستانی
شیر۔ تیندوے۔ شکاری چیتے۔ تازی کتے۔ باز۔ سب نکلتے
تھے۔ اور سب کے پیچھے رسالہ کی فوج ہوتی تھی اور سوار بڑی عمدہ
اور دیان پہنے ہوتے تھے۔ ناکس صاحب و روصاحب و شیر صاحب
اسی طرح کے جلوس اکبر کے جانشین بیٹے کے وقت میں اپنی نگہوں
سے دیکھ گئے تھے۔ چنانچہ سیاحان موصوف نے ان جلوسوں کی عظمت و
شوکت کی گواہی اپنی تحریروں میں دی ہے۔

یہ جلوس خاص خاص جشن کے دنوں میں نکلتے تھے۔ معمولاً اکبر
بہت سادہ مزاج تھا۔ بناوٹ چھو نہ لگتی تھی۔ بڑا سیدھا سادہ
آدمی تھا۔ ہمیشہ تحقیق و حقیقت کو شان رہتا تھا کہ اسکا ثبوت اُسکے کیسے
ہوے کام سے برابر ملتا ہے۔ وہ کام یہ تھا کہ اس سلطنت کے منتشر
جزائر کو جمع کرے جو چار صدیوں میں مسلمان فاتحوں نے جا بجا فتح کر لی
تھی مگر اب تک یکجا نہ ہوئی تھی اور پوری طرح تسلط میں نہ آنے لگی تھی۔ ان
چار صدیوں میں افغان فاتحوں نے قرآن کے اصولوں کو تعصب کی

انکھوں سے پڑھ کر ایسے غلط معنی اس میں پہنائے تھے کہ ہندو رعایا کو
لوٹنا اور تباہ کرنا بھی جائز ہو گیا تھا۔ اکبر کے قریب کے مقدسین میں سلطان
فیروز شاہ سب سے زیادہ روشن خیال بادشاہ تھا۔ اسکی نسبت ایک
انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ اسکا مزاج رحیم تھا اور طبیعت میں فیاضی تھی
یہ بادشاہ خود لکھتا ہے کہ اُسے کس کس طرح ان لوگوں کو ایذا میں پہنچائیں
جنہوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔ جب اکبر تخت نشین ہوا تو یہ اختلاف
اعتقاد کے باعث ایذا رسانی کرنے کا بازار بہت گرم تھا۔ اور اکبر نے خود ہی
اسکو ٹھنڈا کر دیا۔

اکبر کو بڑا خیال اس بات تھا کہ سارا ہندوستان ایک ہی سلطنت
کے تابع ہو جائے۔ یہ بات شروع ہی میں اسکی سمجھ میں آگئی تھی کہ
سب کے عقاید کا ایک کر دینا بالکل ناممکنات سے ہے۔ اسلیے لازمی
ہوا کہ اغراض ایک کر دیے جائیں۔ اور اس یکجہتی کے لیے ضروری تھا کہ
اول تو ملک فتح کیا جائے دوسرے سب کے عقاید اور طریق عبادت
اتنی کا پورا پورا ادب کیا جائے۔ اس منصوبے کے پورا کرنے میں اکبر
نے مسلمانی طریقوں کی اصلاح کر کر کے کام لیا۔ بجائے اسکلے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہ جس کے منہ نے۔ کہ یہ یہ شہادۂ ایزد رسانہ کے غریبے ایجاد ہوئے تھے اگر نے لا الہ الا اللہ کہہ غایت فی الارض کا کلمہ جاری کیا۔ اگر کی دلیل یہ تھی کہ رسول مقبول بت پرستوں کی وحدانیت کی تلقین کرنے آئے تھے۔ اور ان لوگوں کے واسطے خوشخبری لائے تھے۔ مگر جو امتین رسول موصوف نے باری فرمایاں اور قرآن میں مضبوط ہوئیں ان میں یہ معنی پہا لے گئے ہیں کہ خدا کی وحدانیت کی اشاعت بزرگ شمشیر کرنی چاہیے۔

اگر کا خیال تھا کہ اسی غلط معنی سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم از کم مبدستان میں ناکامی ہی ہوئی گئی۔ اس ناکامی کی شہادتیں چار صدیوں سے اوپر ہی اوپر کی موجود ہیں۔ اگر نے اکیسویں ہی سال میں قدم رکھا تھا کہ یہ بات اسکی سمجھ میں آگئی کہ ان اصولوں پر سلطنت کی گئی تو لامحالہ اسکو زوال ہوگا۔ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اگر کا نشانہ تھا کہ اتفاق پیدا کر کے بھرتی قائم کرے سب کو ایک کر دے اور ایسا طریقہ ایجاد کرے کہ اسکی ساری رعایا ایک دوسرے سے وابستہ ہو جائے۔ اس طریقہ کا اصول اُسے مذہب اسلام کی اس ترمیم کو قرار دیا جسکا ذکر

اوپر آچکا ہے۔ رسولؐ زبئی کی کتابوں میں غلط معنی لگانے اور ان کو بیجا طور پر کام میں لانے سے نا اتفاق پھیلتی تھی۔ چنانچہ لٹسنے کہا کہ اپنے زمانہ سلطنت میں میں خود رسولؐ کا کام کرونگا۔ اور قادیان کے قیاض اور رحیم احکام کے۔ عانی کا شایع ہونگا۔

وہ کہتا تھا کہ جب تک میں اس مذہب عالی کا منفسر ہوں اس مذہب کو بزدل و شمشیر نہ پھیلنے دوں گا۔ بخلاف اسکے میں یہ کرونگا کہ اس مذہب کا شفا بخش اثر سارے ہندوستان میں پھیلاؤں گا۔ اور پچھلے زمانہ کی ایذا رسانی کی یاد لوگوں کے دلوں سے مٹاؤں گا۔ آزادی عقاید کی منادی کروں گا اور بے تعصبی سے کام لوں گا۔ اور جب یہ تغیر عام طور پر سمجھ میں آجائے گا تو ہندوستان کے راجاؤں اور رعایا سے درخواست کروں گا کہ تم سب اپنا ایک ایسا سردارانہ لوجہ تمھاری حفاظت کرے اور تم کو ایذا نہ پہنچائے۔ اور ان ہی سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ جو اصلاح میں کر رہا ہوں اس میں مجھے مدد دے کہ میں یہ کام اپنے ذاتی نفع کے واسطے نہیں کرتا ہوں بلکہ اُن کروں ہنگام خدائی فلاح منظور نظر ہے جو چار صدیوں سے مختلف حملوں اور خانہ جنگیوں سے پریشان ہوتے آئے ہیں۔

اور انہیں پائے رہے ہیں۔

اکبر نے یہ درخواست کچھ بے سمجھ اور ضدی آدمیوں سے نہیں
 کی تھی۔ سولے ایک والی چٹوڑ (اوسے پور حال) کے اور سب اچوت
 راجا اور ہندوستان کے بہت بڑے حصہ کی رعایا نے اُسکے ہاتھ پر
 بیعت کر لی۔ جو لوگ ان میں سب سے زیادہ طاقت والے تھے یعنی
 وانی جے پور جو دھپور وہ اُسے مستند ہندو فوجی امیرون اور سپاہیوں سے
 رو دیتے تھے۔ اکبر کی مخالفت زیادہ تر اسی کے دربار کے متعصب
 لوگوں اور نیز ان افغان حملہ آوروں کی نسل والوں نے کی جو بنگال اڑیسہ
 و مغربی ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ اپنے فیض رسان طریقہ کی عمل
 کے لیے اکبر کو ضروری ہوا کہ ان کو بھی سطیع کر لے۔ چنانچہ پہلے تو ان
 ان لوگوں کو یہی ترغیب دی کہ اُسکی برتری تسلیم کر لیں اور انہوں نے ایسا
 کیا بھی مگر موقع کے نظر رہے اور جب موقع ملا باغی ہو گئے۔ اس حالت میں
 سولے ملک گیری کے اور کیا چارہ تھا۔ چنانچہ اکبر نے ملک لے لیا۔ اور نتیجہ
 یہ ہوا کہ بے انتہائی برابری حقوق اور یکساں عدل گستری سے ملک آباد اور رعایا
 خوش حال ہو گئی۔

غرض اکبر ہندوستان فاتح تھا جس نے ممالک مفتوحہ کو اپنی فتوحات کی حد تک (کیونکہ ایک حصہ جنوبی ہندوستان کا ہنوز شیر نہوا تھا) یکجا کر کے ایک سلطنت کر دی۔ اس اعتبار سے وہ ضرور اسکا مستحق ہے کہ اس کے بعد جو لوگ ہوں وہ اسکی قدر کریں۔ ہم نے چونکہ اس کے کام کو بنور دیکھا ہے اور اس کے دلی خیالات پر عبور حاصل کیا ہے اس لیے ہم اسکی نیت کی باکی اور خلوص کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے دربار کے مستعصب لوگوں نے مشہور کیا۔ ہے اکبر اسکا آرزو مند تھا کہ لوگ اسکی عبادت کریں اور اسکو اپنا خدا سمجھیں۔ نہیں۔ وہ صرف رسول عربی کے مذہب کا شاج ہونے کا دعویٰ دار تھا اور اسکا مقصد یہ تھا کہ اس کے حقایق اعلیٰ و بیاضی و بے نقصی و عدل کے بلا لحاظ عقاید اشاعت کرے۔ اسکا قانون سب فرمانرواؤں کے قانون سے بڑا تھا اور فی الواقع ایک بانی مملکت کا قانون تھا۔

اسکا مقصد تھا کہ ”اچھی باتیں سب مذہبوں میں ہیں جو اچھی ہوں انھیں لئے لو اور باقی کو چھوڑ دو“ ہندوؤں کے رحیم اور فیاض طریقہ میں جو رشتہ داروں کی حفاظت کی تاکید تھی اور اپنے مذہب میں خواہ مخواہ

